ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ۔محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
اکتوبر۔دسمبر ۲۰۱۲ء

سہ ماہی حکمت قرآن لاہور

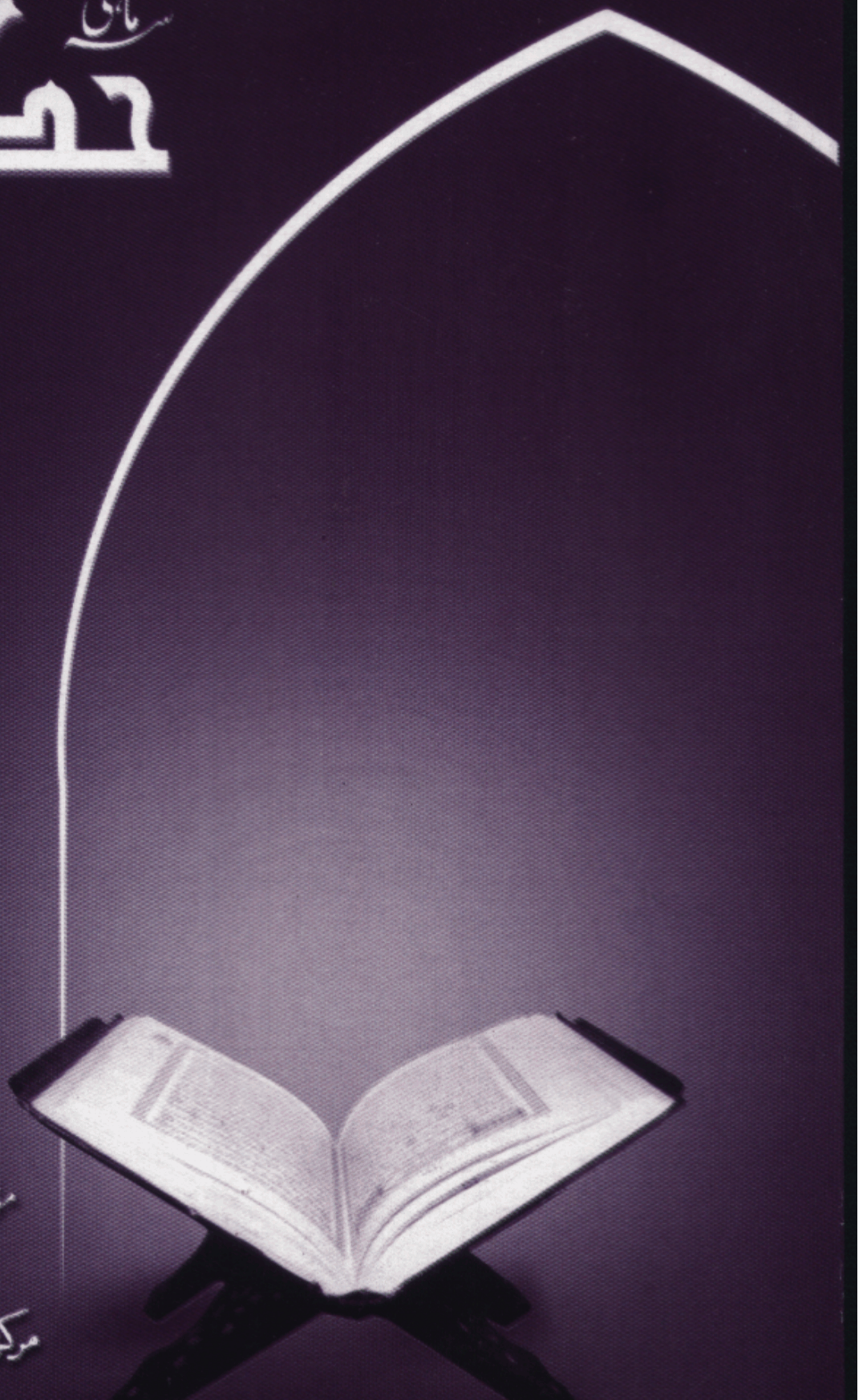

مؤسس: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

داعیٔ رجوع الی القرآن، بانیٔ تنظیم اسلامی

محترم **ڈاکٹر اسرار احمد** رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن

پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصّہ اول سُورۃ الفاتحہ وسُورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن

صفحات: 360، قیمت 450 روپے (پانچواں ایڈیشن)

حصّہ دوم سُورۃ آلِ عمران تا سُورۃ المائدہ

صفحات 321، قیمت 400 روپے

حصّہ سوم سُورۃ الانعام تا سُورۃ التّوبہ

صفحات 331، قیمت 400 روپے

عمدہ طباعت ❁ دیدہ زیب ٹائٹل اور مضبوط جلد ❁ امپورٹڈ پیپر

ملنے کے پتے

انجمن خُدّام القرآن خیبر بختونخوا، پشاور

A-18 ناصر مینشن، ریلوے روڈ نمبر 2، شعبہ بازار پشاور، فون: 2584824,2214495(091)

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور

K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (البقرۃ: ۲۶۹)

سہ ماہی حکمت قرآن لاہور

جلد ۳۱ | شمارہ ۴

ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ ۔ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ | اکتوبر۔ دسمبر ۲۰۱۲ء

بیاد:
ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم ــ ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

مدیر مسئول: ڈاکٹر ابصار احمد

مُدیر : حافظ عاطف وحید

نائب مُدیر:
حافظ خالد محمود خضر

ادارۂ تحریر:
ڈاکٹر حافظ محمد زبیر۔ حافظ نذیر احمد ہاشمی
پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

یکے از مطبوعات مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون 3-35869501
ویب سائٹ : www.tanzeem.org
ای میل: publications@tanzeem.org
سالانہ زرِتعاون : 200 روپے ، فی شمارہ :50 روپے

اس شمارے میں

حرفِ اوّل

جمہوریت اور خلافت	حافظ عاطف وحید	3

مضامینِ قرآن

قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ	ڈاکٹر اسرار احمدؒ	5

فہمُ القرآن

ترجمۂ قرآن مجید، مع صرفی ونحوی تشریح	افادات حافظ احمد یارؒ	15

حکمتِ نبوی

مسلمان کے مسلمان پر حقوق	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	31

تفسیری خدمات

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی تفسیر ''بیان القرآن'' کا جائزہ	غلام حیدر	37

فقہ و اجتہاد

اجتہاد اور اس کا تاریخی ارتقاء	محمد انس حسان	43

فکر و نظر

پیپر کرنسی: شرعی حیثیت اور متعلقہ احکام	حافظ نذیر احمد ہاشمی	59

کتاب نما

تعارف وتبصرہ	ادارہ	76

بیانُ القرآن

MESSAGE OF THE QURAN	Dr. Israr Ahmad	96

جمہوریت اور خلافت

جمہوری طرزِ حکومت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے۔ گویا جمہوریت میں فیصلہ کن حیثیت عددی کثرت کو حاصل ہوتی ہے اور اس میں اصل شئے جس کے حصول کے کوشش کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ عوام کی ''اکثریت'' کو ہر جائز و ناجائز اور صحیح و غیر صحیح معاملے میں بطورِ دلیل اور بطورِ فیصلہ کن عامل قبول کیا جائے۔ اس جمہوری طرزِ حکومت و سیاست کو استبدادی عفریت بھی کہا گیا ہے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری!

عددی کثرت لازماً عدل و انصاف اور حریت و مساوات کی ضامن نہیں' بلکہ اس کے برعکس عددی کثرت ظلم' استبداد اور استحصال کا عنوانِ کامل بھی بن جاتی ہے۔ آج جمہوریت کی آڑ میں مسلمان ممالک میں جو ظالمانہ کھیل کھیلا جا رہا ہے وہ اِسی حقیقت کا غماز ہے۔

آج کے دور میں جمہوری طرزِ حکومت و سیاست ایک ایسا اصل الاصول قرار پا چکا ہے کہ جس سے علیحدہ کسی دوسرے طرزِ حکومت و سیاست کا تصور بھی ناممکن ہو گیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسان کی انسان پر جمہوری فرماں روائی نے طبقاتی ناانصافی' معاشی ناہمواری' غربت و افلاس اور اباحیت و الحاد کے ایسے ایسے مناظر دکھلائے ہیں کہ ہر ذی شعور انسان آزادی کی اس نام نہاد نیلم پری کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتا ہے۔ ہمارے تجزیے کے مطابق عددی کثرت کا ظلم و استحصال کی علامت بن جانا اس لیے ممکن ہوتا ہے— بلکہ یقینی ہوتا ہے کہ ''عدد'' کی تعریف میں ہر قسم کا وہ عدد شمار کیا جاتا ہے کہ جس کے پاس ایک مخصوص عمر سے متجاوز ہونے کا دستاویزی ثبوت موجود ہو۔ گویا اس لحاظ سے جمہوری طرزِ حکومت و سیاست میں ہر ایک شخص کی رائے دوسرے شخص کی رائے کے ہم پلّہ اور ہم وزن ہے' چاہے ان میں سے ایک حرص و ہوا کا بندہ اور فسق و فجور کا دلدادہ ہو.....' جبکہ دوسرا ایثار و قربانی اور نیکی و تقویٰ کا بہترین نمونہ۔ گویا اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کوئی شخص عالم ہو یا جاہل' عادل و منصف ہو یا ظالم و جابر' متقی اور پرہیزگار ہو یا فاسق و فاجر.....ان کی جملہ امور.....یعنی ملت' ریاست' معاشرت' معیشت' تمدن حتیٰ کہ دین و مذہب کے بارے میں بھی آراء ہم وزن اور ہم پلہ ہوتی ہیں۔

حکومت و سیاست کے حوالے سے مسلمانوں کی تاریخ اور اسلامی لٹریچر ''امارت'' اور ''خلافت'' کی اصطلاحات سے مزیّن ہے۔ اسلامی لٹریچر میں خلافت کے مقاصد کے ذیل میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ شریعت کے بہت سے احکام ایسے ہیں جو بغیر اجتماعِ کامل کے انجام نہیں پا سکتے۔ ان احکامِ شریعت میں حدود و تعزیرات کا اجراء' فیصلوں اور قضیوں کا اہتمام' رفع خصومات' جیوش اور عساکر کی ترتیب اور جہاد اور دفاعِ سلطنت

وغیرہ ایسے اہم امور شامل ہیں۔ان مقاصد کا حصول کسی قوتِ جامع اور قوتِ نافذہ کے بغیر ممکن نہیں.....اور اسی کے لیے ''خلافت'' کا ادارہ عطا ہوا ہے۔لہٰذا ضروری ہے کہ ایک جامع الصفات شخصیت کا بطور خلیفۃ المسلمین تقرر کیا جائے جس کی نگرانی اور سرکردگی میں یہ اجتماعی مقاصد حاصل ہوں۔

مقاصد مذکورہ بالا اور شرعی نصوص کے اعتبار سے علمائے اہل سنت نے خلیفۃ المسلمین کے لیے جو شرائط ضروری قرار دی ہیں اُن میں سے بعض اہم شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

☆ وہ مسلمان ہو اور اس کے عقائد و نظریات اسلام کے مسلمات کے خلاف نہ ہوں۔

☆ وہ عاقل و بالغ ہو اور کسی اعتبار سے عقل و شعور کی پسماندگی کا حامل نہ ہو۔

☆ وہ مرد ہو.....گویا عورت کی خلافت درست نہیں۔

☆ اس کے حواسِ خمسہ صحیح کام کرتے ہوں.....اس اعتبار سے کسی گونگے' بہرے یا نابینا کی خلافت درست نہیں۔

☆ وہ بہادر ہو اور بزدل نہ ہو۔

☆ وہ صاحب الرائے ہو اور معاملہ فہم ہو۔

☆ وہ آرام طلب اور ناتجربہ کار نہ ہو۔

☆ وہ عادل ہو' گناہوں سے بچنے والا ہو۔

☆ وہ علم دین سے آراستہ ہو اور اجتہاد کی لیاقت اور اہلیت بھی رکھتا ہو..... وغیرہ۔

مقاصدِ خلافت اور اہلیتِ خلیفہ کی بعض اہم شرائط کا یہاں حوالہ بطورِ یاددہانی ہے..... كَلَّا اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ۔ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهُ۔ اس بحث سے قطع نظر کہ آج کے دور میں خلافت شخصی ہوگی یا اجتماعی..... اہم بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی حکمرانی اور شرعی حدود میں رہتے ہوئے قانون سازی کے لئے اصحابِ حل وعقد کی کیفیت اور نوعیت کیا ہونی چاہیے.....؟ کیا آج کے مسلم حکمران اس کے اہل ہیں کہ انہیں مسلمانوں کا جائز حکمران قرار دیا جائے.....؟ کیا جمہوریت پر زور (emphasis) کی اصل وجہ یہ تو نہیں کہ اسلامی طرزِ حکومت وسیاست میں ان نام نہاد لیڈران کا کوئی رول (role) نہیں جو آج انتہائی طمطراق سے مسلمانوں کے ''منتخب نمائندے'' قرار پاتے ہیں.....؟ انہی سوالات کے ذیل میں یہ بات بھی غور کرنے کے لائق ہے کہ اگر حکمرانی اور قانون سازی کے لیے اہلیت کی مذکورہ اساسات واقعتاً نافذ العمل ہو جائیں تو کیا آج کے بڑے بڑے مسائل حل ہونے کے امکانات پیدا نہ ہو جائیں گے اور نظامِ خلافت کی برکات کا حصول کیا پھر بھی محض ایک خواب ہی رہ جائے گا.....؟

سطورِ بالا کو رقم کرنے سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ عوام وخواص کے سامنے اُس بھولے ہوئے سبق کو دُہرا دیا جائے جس پر ہماری حیاتِ ملّی کا دار و مدار ہے..... خاص طور پر اُن مذہبی عناصر کے سامنے جو یا تو جمہوریت کی جدوجہد میں اس حد تک آگے چلے گئے ہیں کہ ان کی اور سیکولر عناصر کی سیاست میں شاید ہی کچھ فرق رہ گیا ہو..... یا وہ جو حکومت وسیاست سے ایسی دستبرداری اختیار کیے ہوئے ہیں کہ اسے ''دنیاداری'' قرار دے کر عوام الناس کے دین کو محض نماز روزے تک محدود کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

اللھم ارنا الحَقَّ حقّا وارزقنا اتباعه و ارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه ---- آمین!

قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ

از: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

ترتیب وتدوین: سید برہان علی۔ حافظ محمد زاہد

سُورَۃُ الْمُلْك

انتیسویں (۲۹) پارے میں کل گیارہ سورتیں ہیں جو تمام کی تمام مکی ہیں اور یہ تمام سورتیں دو دو رکوعوں پر مشتمل ہیں۔ ان سورتوں کے مضامین کا بھی تقریباً وہی انداز ہے جو اس سے پہلے والی مکی سورتوں (سورۂ قٓ تا سورۃ الواقعہ) کا ہے‘ یعنی قیامت‘ جزاء وسزا اور جنت ودوزخ کا تذکرہ۔ یوں سمجھئے کہ انذار وتبشیر جو نبوت ورسالت کا اصل مقصد ہے‘ اس میں جو انذار کا پہلو ہے وہ ان تمام سورتوں میں غالب ہے۔ اس کے علاوہ ان سورتوں میں بعض مقامات پر فلسفہ وحکمت قرآن کے اعتبار سے بہت اہم آیات آئی ہیں جن پر خصوصی توجہ درکار ہے۔

ان سورتوں میں سے پہلی سورۃ ’’الملک‘‘ ہے۔ اس سورۃ کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کی شانِ خلّاقی بڑے پُرجلال انداز میں بیان ہوئی ہے۔ فرمایا:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُۨ ۝ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝

’’بڑی بابرکت ہے وہ ہستی جس کے ہاتھ میں ہے اصل بادشاہی اور اختیار‘ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اُسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ جانچ لے کہ کون تم میں نیک اعمال کرتا ہے۔ اور وہ زبردست‘ بخشنے والا ہے۔ اُسی نے سات آسمان بنائے ہیں ایک دوسرے پر تہہ در تہہ۔ (اے دیکھنے والے) کیا تم رحمٰن کی تخلیق میں کوئی نقص دیکھتے ہو؟ ذرا اپنی نگاہ دوڑاؤ کیا تمہیں (آسمان میں) کہیں کوئی شگاف نظر آتا ہے؟ پھر دوبارہ (سہ بارہ) اپنی نگاہ کو دوڑا لو تو (ہر بار) تمہاری نگاہ ناکام اور تھک ہار کر واپس آجائے گی۔‘‘

آیت ۶ سے ۱۱ تک کفار اور ان کے انجامِ بد کا تذکرہ ہے اور اس ضمن میں جہنم کے داروغہ اور کفار کے درمیان ہونے والے ایک مکالمہ کا بھی بیان ہے۔ داروغہ کفار سے پوچھے گا: ﴿اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَذِیْرٌ ۝۸﴾ ''کیا تمہارے پاس کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا تھا؟'' وہ کہیں گے: ﴿بَلٰی قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ ۙ فَکَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ کَبِیْرٍ ۝۹ وَقَالُوْا لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا کُنَّا فِیْٓ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ۝۱۰﴾ ''کیوں نہیں' ضرور ہدایت کرنے والا آیا تھا' لیکن ہم نے اس کو جھٹلایا اور (اس سے) کہا کہ اللہ نے تو کچھ نازل نہیں کیا' تم تو بڑی گمراہی میں ہو۔ اور (کُفّار یہ بھی) کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو (آج) ہم دوزخیوں میں سے نہ ہوتے۔''

آیات ۱۳' ۱۴ میں اللہ ربّ العزت کے علم کے حوالے سے یہ عمدہ نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ ''بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ'' بھی ہے اور ''عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ'' بھی' یعنی اللہ دل کے خیالات کو بھی جانتا ہے۔ فرمایا:

وَاَسِرُّوْا قَوْلَکُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۝

''اور تم پوشیدہ بات کرو یا ظاہر۔ وہ (اللہ) تو دل کے خیالات تک سے واقف ہے۔ بھلا جس نے پیدا کیا' کیا وہی نہیں جانے گا؟ وہ تو پوشیدہ باتوں کا جاننے والا اور باخبر ہے۔''

دوسرے رکوع میں ایک آیت فلسفہ اور حکمت قرآنی کے اعتبار سے نہایت اہم ہے۔ فرمایا: ﴿اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُکِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۲۲﴾ ''بھلا وہ شخص جو منہ کے بل گھسٹتا ہوا چل رہا ہے وہ سیدھے راستے پر ہے یا وہ جو سیدھا (سر اٹھائے) سیدھے راستے پر چلا جا رہا ہے''۔ اس آیت میں گویا ایک تصویر کھینچ دی گئی ہے کہ ایک شخص اپنے راستے پر سیدھا چل رہا ہے اور اس کی نگاہ اس منزل پر جمی ہوئی ہے جہاں اُس کو پہنچنا ہے۔ یہ مثال ان لوگوں کی ہے جو آخرت کے ماننے والے ہیں اور جو یہ جانتے ہیں کہ ان کا اصل گھر اور منزل آخرت ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ آخرت اور اُخروی زندگی کے منکر ہیں ان کی مثال ایک ایسے شخص کی ہے جو اوندھے منہ زمین پر گرا ہوا ہے اور منہ کے بل گھسٹ رہا ہے۔ ایسا شخص تو صرف حیوانی جبلتوں کی بنا پر زندہ ہے ورنہ حقیقت میں اس شخص کی زندگی کا نہ کوئی مقصد ہے اور نہ کوئی نصب العین۔☆

سُوْرَۃُ الْقَلَم

انتیسویں پارے کی دوسری سورۃ ''القلم'' ہے جس کی ابتدائی سات آیات کے بارے میں بہت سے محقّقین کی رائے یہ ہے کہ سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات (پہلی وحی) کے بعد نازل ہونے والی یہ آیات محمدؐ رسول

☆ اس سورۃ کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں دو دو آیات ایک جیسے الفاظ سے شروع ہو رہی ہیں' مثلاً آیت ۱۶' ''ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ'' سے اور آیت ۱۷ ''اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ'' سے۔ اسی طرح آیت ۲۳ اور ۲۴ کی ابتدا ''قُلْ هُوَ الَّذِیْ'' سے اور آیت ۲۸ اور ۳۰ کی ابتدا ''قُلْ اَرَءَیْتُمْ'' سے ہو رہی ہے۔ (مرتب)

اللہ ﷺ پر دوسری وحی کے طور پر نازل ہوئیں۔ نبی اکرم ﷺ نے جب پہلی وحی کا تذکرہ لوگوں سے کیا تو ان کو بہت عجیب لگا۔ اس لیے کہ اہلِ مکہ کے لیے نبوت و رسالت ایک بھولی بسری شے تھی۔ چنانچہ عام طور پر یہ چرچا ہو گیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ) اس شخص کے دماغ میں کوئی خلل یا فتور واقع ہو گیا ہے۔ اسی بنا پر لوگوں نے آپ کو مجنون اور سحر زدہ کہا جس سے حضور ﷺ کو رنج اور صدمہ ہوا۔ اسی حوالے سے آپؐ کی دلجوئی کے لیے یہ سات آیات نازل ہوئیں۔ فرمایا: ﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝۱ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲﴾ ''ن۔ قلم کی اور جو (اہل قلم) لکھتے ہیں اس کی قسم! آپ اپنے رب کی نعمت سے مجنون نہیں''۔ نہ آپؐ سحر زدہ ہیں اور نہ ہی آپؐ کو خلل دماغی کا کوئی عارضہ لاحق ہوا ہے۔ یہ گویا آپؐ کی دلجوئی کی جا رہی ہے۔ آیت ۳ میں آپؐ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝۳﴾ ''اور آپ کے لیے تو یقیناً بڑا اجر ہے''۔ ایسا اجر جو کبھی منقطع نہ ہو گا یعنی آپؐ کو جنت کے سب سے بلند درجے کی خوشخبری دی جا رہی ہے اور یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ اس وقت آپ کو جتنی اذیت ناک باتیں سننی پڑ رہی ہیں اتنے ہی آپؐ کے درجات بلند ہوتے جا رہے ہیں۔

آیت ۴ میں فرمایا: ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴﴾ ''اور آپؐ اخلاق کی بلندیوں پر فائز ہیں''۔ ظاہر بات ہے کہ کوئی مجنون اور سحر زدہ شخص اتنے اعلیٰ اور پاکیزہ اخلاق کا حامل نہیں ہو سکتا۔ یعنی آپؐ کا اعلیٰ اخلاق کا حامل ہونا عملاً آپؐ کے مجنون اور سحر زدہ ہونے کی نفی ہے۔ آیت ۵، ۶ میں فرمایا: ﴿فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝۵ بِاَيِّىكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝۶﴾ ''عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور وہ کافر بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کس کا دماغ پھر گیا ہے''۔ یعنی عنقریب اس سے پردہ اٹھ جائے گا کہ کہنے والے کا دماغ پھر گیا ہے یا (معاذ اللہ) محمد ﷺ کا۔ آیت ۷ میں فیصلہ کن انداز میں فرمایا جا رہا ہے: ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۷﴾ ''تمہارا ربّ اس کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور ان کو بھی جو راہِ ہدایت پر ہیں۔''

آیات ۱۷ تا ۳۳ میں ''اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ'' یعنی باغ والوں کے ایک واقعہ کا ذکر ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چند بھائیوں کو باپ کی وراثت سے پھلوں کا ایک باغ ملا۔ گھر کا سارا خرچہ اسی باغ کی آمدنی سے پورا ہوتا تھا۔ باپ کی یہ عادت تھی کہ جس دن باغ کا پھل توڑا جاتا تھا تو اس دن شہر بھر کے فقیروں کو بلایا جاتا اور انہیں کچھ نہ کچھ دے دیا جاتا تھا۔ باپ کے بعد بیٹوں نے فقیروں کو کچھ نہ دینے کا فیصلہ کیا اور یہ منصوبہ بنایا کہ کل علی الصبح پھل توڑ لیں گے اور جب فقیر آئیں گے تو باغ کو خالی پائیں گے اور خالی ہاتھ لوٹ جائیں گے۔ اپنے اس منصوبے اور تدبیر پر انہیں اتنا یقین تھا کہ انہوں نے ''ان شاء اللہ'' بھی نہیں کہا۔ آخر رات کو اللہ کا عذاب آیا اور سارا باغ ملیا میٹ ہو گیا۔ پھر انہوں نے اپنے کیے ہوئے پر افسوس کرتے ہوئے کہا: ﴿سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۲۹ ..... يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ۝۳۱﴾ ''پاک ہے ہمارا پروردگار، ہم تو خود ہی ظالم ہیں ..... ہم خود ہی حد سے بڑھنے والے ہیں''۔ آخر میں فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۳﴾ ''یوں ہی آتی ہے آفت۔ اور آخرت کی آفت تو بہت بڑی (اور خطرناک) ہے۔ کاش ان (کفّار) کو سمجھ ہوتی!''

دوسرے رکوع میں قیامت کے سلسلہ میں عجیب انداز میں ایک دلیل آئی ہے۔ فرمایا گیا:

اَفَنَجۡعَلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ کَالۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۳۵﴾ مَا لَکُمۡ ۟ کَیۡفَ تَحۡکُمُوۡنَ ﴿۳۶﴾

''کیا ہم اپنے فرمانبرداروں کو سرکشوں کے برابر کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسی باتیں کرتے ہو؟''

اس سے واضح ہوتا ہے کہ قیامت اور حساب کتاب کا دن برحق ہے۔ اگر آخرت نہ ہو تو پھر تو سب برابر ہی رہیں گے' بلکہ سرکش زیادہ فائدے میں رہیں گے کہ وہ تو اس دنیا میں بھی خوب عیش کرتے رہے اور گلچھرے اڑاتے رہے۔ اور نیکوکار جو پھونک پھونک کر قدم رکھتے رہے' صحیح وغلط اور جائز و ناجائز کی تمیز کرتے رہے' وہ تو گھاٹے میں رہ جائیں گے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اندھیر نگری چوپٹ راج۔ جبکہ اللہ کی لاٹھی اندھے کی لاٹھی نہیں ہے بلکہ وہاں اعمال کے حساب سے فیصلہ ہوگا بایں طور کہ سرکش جہنم کی آگ میں اور فرمانبردار نعمت کے باغات میں ہوں گے۔

سورۃ کے آخری حصہ میں نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ آپؐ ان منکرین کی جانب توجہ مبذول نہ کریں بلکہ اپنا فرضِ منصبی ادا کرتے رہیں' ہم خود ان سے نبٹ لیں گے۔ فرمایا:

فَذَرۡنِیۡ وَ مَنۡ یُّکَذِّبُ بِہٰذَا الۡحَدِیۡثِ ؕ سَنَسۡتَدۡرِجُہُمۡ مِّنۡ حَیۡثُ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۴﴾ وَ اُمۡلِیۡ لَہُمۡ ؕ اِنَّ کَیۡدِیۡ مَتِیۡنٌ ﴿۴۵﴾

''(اے نبی ﷺ!) مجھے اور اس کلام کے جھٹلانے والوں کو چھوڑ دیجیے۔ ہم ان کو (عذاب میں جھونکنے کے لیے) آہستہ آہستہ ایسے لے آئیں گے کہ ان کو گمان تک نہ ہوگا۔ اور ابھی میں ان کی رسی دراز کیے ہوئے ہوں' جبکہ میری چال بڑی مضبوط ہے۔''

آیت ۴۸ میں حضرت یونس علیہ السلام کی مثال دے کر آپ ﷺ کو صبر کی تلقین کی جا رہی ہے کہ ان کی طرح جلدی مت کیجیے۔ فرمایا: ﴿فَاصۡبِرۡ لِحُکۡمِ رَبِّکَ وَ لَا تَکُنۡ کَصَاحِبِ الۡحُوۡتِ ۘ اِذۡ نَادٰی وَ ہُوَ مَکۡظُوۡمٌ ﴿۴۸﴾﴾

''اپنے ربّ کے فیصلے کا انتظار کیجیے اور مچھلی والے (حضرت یونس علیہ السلام) کی طرح نہ ہونا۔ جب اُس نے اپنے پروردگار کو پکارا اور وہ غم سے گھٹ رہا تھا۔''

آیت ۵۱ میں ایک بہت عجیب بات کا تذکرہ ہے۔ فرمایا:

وَ اِنۡ یَّکَادُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَیُزۡلِقُوۡنَکَ بِاَبۡصَارِہِمۡ لَمَّا سَمِعُوا الذِّکۡرَ وَ یَقُوۡلُوۡنَ اِنَّہٗ لَمَجۡنُوۡنٌ ﴿۵۱﴾

''اور کافر جب یہ نصیحت (کی کتاب) سنتے ہیں تو یوں لگتے ہیں کہ یہ آپؐ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا دیں گے اور کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ تو دیوانہ ہے۔''

آج کل بھی کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کچھ نفسیاتی ریاضتوں اور مشقتوں کے ذریعہ اپنی نگاہوں کے اندر قوت ارادی پیدا کر کے کسی کی قوتِ ارادی کو مسخر کرنا جانتے ہوں۔ یہ ایک فن ہے اور اس آیت سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ داؤ بھی نبی اکرم ﷺ پر آزمایا گیا تھا۔

سُورَۃُ الْحَاقَّۃ

اس سورۃ کی ابتدائی ۱۲ آیات میں سابقہ اقوام میں سے قومِ ثمود‘ قومِ عاد اور فرعون کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کہ ان اقوام نے کفر کی روش اختیار کی تو انہیں اللہ کی طرف سے آنے والے عذاب نے تہس نہس کر دیا۔ آگے آیات ۱۳ تا ۱۸ میں قیامت کا مرحلہ وار تذکرہ ہے اور اس کے بعد آیات ۱۹ تا ۳۷ میں جنت اور جہنم والوں کے معیار (یعنی اس دن جنتی اور جہنمی کا فیصلہ کیسے ہوگا) کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ ۚ﴿۱۹﴾ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ
حِسَابِیَهْ ۚ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ۙ﴿۲۱﴾ فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ۙ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓــًٔا
بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ ﴿۲۴﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ۬ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ
كِتٰبِیَهْ ۚ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ ۚ﴿۲۶﴾ یٰلَیْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِیَةَ ۚ﴿۲۷﴾ مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ ۚ﴿۲۸﴾ هَلَكَ
عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ ۚ﴿۲۹﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۙ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾

’’اُس دن جس کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا‘ وہ (دوسروں سے) کہے گا کہ لیجیے میرا نامہ اعمال پڑھیے۔ مجھے یقین تھا کہ مجھ کو میرا حساب کتاب ضرور ملے گا۔ پس وہ شخص من پسند عیش میں ہوگا۔ (یعنی) اونچے (اونچے محلوں کے) باغ میں‘ جن کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے۔ (اور ان سے کہا جائے گا کہ) جو (عمل) تم ایام گزشتہ میں آگے بھیج چکے ہو اس کے صلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو۔ اور جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا اے کاش مجھ کو میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا‘ اور مجھے معلوم نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ اے کاش موت (ابدالآباد کے لیے میرا کام) تمام کر چکی ہوتی (آج) میرا مال میرے کچھ بھی کام نہ آیا۔ (ہائے) میری سلطنت خاک میں مل گئی۔ (حکم ہوگا کہ) اسے پکڑ لو اور طوق پہنا دو‘ پھر دوزخ کی آگ میں جھونک دو۔‘‘

اس سورۃ کا دوسرا رکوع اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ بظاہر اس میں حضور ﷺ سے خطاب کر کے کچھ باتیں کہی گئی ہیں‘ لیکن دراصل یہ منکرین اور معترضین کو جوابات دیے گئے ہیں۔ فرمایا:

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۙ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ۙ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ ۚۙ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ
قَلِیْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؕ﴿۴۲﴾ تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ
تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ ۙ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ ۙ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِیْنَ ۗ﴿۴۶﴾ فَمَا
مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِیْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِیْنَ ﴿۴۹﴾
وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْیَقِیْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ ﴿۵۲﴾

’’میں قسم کھاتا ہوں اس کی بھی جو تم دیکھتے ہو اور اس کی بھی جو تم نہیں دیکھتے (یعنی عالم غیب کی اشیاء) کہ یہ قرآن تو دراصل ایک عالی مقام فرشتے (جبرائیلؑ) کا پہنچایا ہوا ہے۔ اور یہ کسی شاعر کا کہا ہوا نہیں ہے۔ یقیناً کم ہی ہیں جو تم میں سے ایمان لاتے ہیں۔ اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا کہا ہوا ہے۔ یقیناً کم ہی ہیں جو تم

میں سے نصیحت اخذ کرتے ہیں۔ اس کا نزول تو اس ذات کی طرف سے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ اور اگر یہ (محمد ﷺ) اپنی طرف سے کوئی بات کہہ کر ہماری جانب منسوب کر دیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے اور ان کی شہ رگ کاٹ دیتے اور تم میں سے کوئی نہ ہوتا جو ہمیں (ایسا کرنے سے) روک سکتا۔ اور یہ (قرآن) تو دراصل یاددہانی ہے اہلِ تقویٰ کے لیے۔ اور ہم جانتے ہیں ان کو جو تم میں سے اس کو جھٹلا رہے ہیں۔ اور یہ قرآن قیامت کے دن کفار کے حق میں حسرت بن کر آئے گا۔ (یہی بات حضور اکرم ﷺ نے بایں الفاظ فرمائی ہے: اَلْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ اَوْ عَلَيْكَ کہ یہ قرآن یا تمہارے حق میں حجت ہے یا تمہارے خلاف)۔ اور یہ حق ہے کہ اس پر پورا یقین کیا جائے۔ پس تسبیح کرو اپنے رب کی جو بڑی عظمت والا ہے۔''

سُورَةُ الْمَعَارِج

سورۃ المعارج کی پہلی آیت میں عذاب کے واقع ہونے کے بارے میں کسی پوچھنے والے کے سوال کا ذکر ہے اور اگلی آیات میں اس سوال کا جواب دیا گیا ہے۔ فرمایا:

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ۝

''ایک عذاب طلب کرنے والے نے عذاب طلب کیا جو واقع ہو کر رہے گا کافروں پر اور اس عذاب کو کوئی دفع کرنے والا نہ ہوگا۔ (اور یہ عذاب) اللہ صاحب درجات کی طرف سے ہوگا۔''

آیات ۱۱ تا ۱۸ میں قیامت کے حوالے سے یہ بتایا گیا ہے کہ اس دن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا صلہ ملے گا' نیک لوگوں کو جنت کے باغات کی صورت میں اور سرکش لوگوں کو جہنم کی آگ کی صورت میں۔ فرمایا:

وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۝ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِىِٕذٍۢ بِبَنِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۝ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُــْٔوِيْهِ ۝ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۝ كَلَّا ۭ اِنَّهَا لَظٰى ۝ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۝ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ۝ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ۝

''.....اور کوئی دوست کسی دوست کا پُرسانِ حال نہ ہوگا' (حالانکہ) ایک دوسرے کو سامنے دیکھ رہے ہوں گے۔ (اس روز) گنہگار خواہش کرے گا کہ کسی طرح اس دن کے عذاب کے بدلے میں (سب کچھ) دے دے (یعنی) اپنے بیٹے' اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی' اور اپنا خاندان جس میں وہ رہتا تھا' اور جتنے آدمی زمین میں ہیں سب کو فدیے میں دے دے اور اپنے آپ کو عذاب سے چھڑا لے۔ (لیکن) ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ وہ تو بھڑکتی ہوئی آگ ہے' کھال ادھیڑ ڈالنے والی۔ ان لوگوں کو اپنی طرف بلائے گی جنہوں نے (دین حق سے) اعراض کیا اور منہ پھیر لیا۔ اور (مال) جمع کیا اور بند کر رکھا۔''

آیات ۱۹ تا ۲۱ میں انسان کی ایک فطرتی خصلت کا ذکر بڑے پیارے انداز میں کیا گیا ہے کہ انسان کم حوصلے والا ہے۔ فرمایا:

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۙ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۙ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۙ

''کچھ شک نہیں کہ انسان کم حوصلہ پیدا ہوا ہے۔ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے۔ اور جب آسائش حاصل ہوتی ہے تو بخیل بن جاتا ہے۔''

اس کے بعد آیات ۲۲ تا ۳۵ میں انسان کی تعمیرِ سیرت کے حوالہ سے اساسی چیزوں اور اہلِ جنت کی صفات کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ فرمایا:

اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۙ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۙ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۚ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ۚ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۘ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ۚ

''مگر وہ نماز پڑھنے والے (ایسے نہیں) جو اپنی نماز کے پابند ہیں۔ اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے مانگنے والے کا اور محروم کا۔ اور جو روزِ جزا کو سچ سمجھتے ہیں۔ اور جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ بے شک ان کے پروردگار کا عذاب ہے ہی ایسا کہ اس سے بے خوف نہ ہوا جائے۔ اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں' سوائے اپنی بیویوں یا لونڈیوں سے کہ (ان کے پاس جانے پر) انہیں کچھ ملامت نہیں۔ اور جو لوگ ان کے علاوہ کسی اور کے طلب گار ہوں پس وہی ہیں جو حد سے نکل جانے والے ہیں۔ اور جو اپنی امانتوں اور اقراروں کا پاس کرتے ہیں۔ اور جو اپنی شہادتوں پر قائم رہتے ہیں۔ اور جو اپنی نماز کی محافظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ بہشت میں عزت و اکرام سے ہوں گے۔''

سُورَۃُ نُوح

سورۂ نوح میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت اور پھر ان کی قوم کی ہٹ دھرمی کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اور اس ضمن میں حضرت نوح علیہ السلام کی دو دعاؤں کا تذکرہ ہے جو خاص طور پر توجہ کے لائق ہیں۔ ایک دعا میں وہ فریاد کے طور پر بارگاہِ الٰہی میں عرض کر رہے ہیں:

رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ۙ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ۚ وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۚ ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۙ ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۙ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۚ

''اے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو پکارا رات کو بھی اور دن کو بھی۔ لیکن میرے پکارنے نے ان کے

(دین حق سے) گریز ہی میں اضافہ کیا۔ اور جب بھی میں نے ان کو بلایا (کہ توبہ کریں) اور تو ان کو معاف فرمائے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنی چادریں (اپنے اوپر) لپیٹ لیں اور (اپنی ضد پر) اڑے رہے اور انتہائی درجے کا تکبر کیا۔ پھر میں نے ان کو علی الاعلان بھی پکارا' پھر میں نے بانگِ دُہل بھی ان کو دعوت پہنچائی اور علیحدہ علیحدہ خفیہ طور پر بھی۔ اور میں نے ان سے کہا کہ اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ بہت معاف کرنے والا ہے (لیکن انہوں نے میری ایک نہ مانی اور اپنی ہٹ دھرمی پر اڑے رہے)۔''

آیات ۱۳ تا ۲۰ میں حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو ایک ایک انعاماتِ الٰہیہ گنوا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ ان انعامات کے باوجود تم اللہ کی عظمت کا اعتقاد کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا:

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۝ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝

''تم کو کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے؟ حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح (کی حالتوں) پر پیدا کیا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے سات آسمان کیسے اوپر تلے بنائے ہیں۔ اور چاند کو ان میں (زمین کا) نور بنایا ہے اور سورج کو چراغ ٹھہرایا ہے۔ اور اللہ ہی نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے۔ پھر اسی میں تمہیں لوٹا دے گا اور (اسی سے) تمہیں نکال کھڑا کرے گا۔ اور اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا تاکہ تم اس کے بڑے بڑے کشادہ رستوں میں چلو پھرو۔''

آیات ۲۶ تا ۲۸ میں حضرت نوح علیہ السلام کی دوسری دعا کا تذکرہ ہے اور یہ دعا ایسے سخت الفاظ پر مشتمل ہے کہ شاید ہی کسی اور رسول کی زبان سے ایسے الفاظ نکلے ہوں۔ اپنی قوم کے بارے میں اتنی سخت دعا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس تک اپنی قوم کے لوگوں کو دن رات دعوت دی اور اس طویل عرصے کی دعوت کے نتیجے میں صرف چند لوگ ہی ایمان لائے۔ قوم کی اس ہٹ دھرمی کا اثر ان کی طبیعت کے اندر موجود تھا' تو انہوں نے یوں دعا کی:

رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ۝

''اے پروردگار! اس زمین پر ایک بھی کافروں کا گھر بستا نہ چھوڑ۔ اس لیے کہ اگر تو نے (ایک گھر بھی ان کا) چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور ان کی اولاد بھی بدکار اور ناشکر گزار ہو گی۔ اے میرے پروردگار! میری اور میرے والدین کی اور اہلِ ایمان میں سے جو کوئی بھی میرے گھر میں داخل ہو جائے' ان کی مغفرت فرما دے اور ظالموں کے لیے تباہی کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ کر۔''

اگر چہ رسول نوعِ انسانی کے ہر فرد کے لیے شفیق ہوتا ہے لیکن لوگوں کے مسلسل انکار، اعراض اور استہزاء کا حضرت نوح علیہ السلام کی طبیعت پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ ان کی دعا میں غضب کی کیفیت عیاں ہے۔

سُورَۃُ الجِنّ

سورۃ الجن میں جنّوں کی ایک جماعت کا ذکر آیا ہے جنہوں نے نبی اکرم ﷺ سے قرآن سنا اور واپس جا کر اپنی قوم میں اس کا ذکر کیا اور ان کو دعوت پیش کی۔ اسی واقعہ کی وجہ سے اس سورۃ کا نام "الجنّ" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپؐ کو اس پورے واقعے کی خبر دی۔ فرمایا:

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ یَّھْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِکَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾ وَّاَنَّہٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَۃً وَّلَا وَلَدًا ۙ﴿۳﴾ وَّاَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ سَفِیْھُنَا عَلَی اللّٰہِ شَطَطًا ۙ﴿۴﴾

"(اے پیغمبر ﷺ! لوگوں سے) کہہ دو کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنّوں کی ایک جماعت نے (اس کتاب کو) سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا۔ جو بھلائی کا رستہ بتاتا ہے سو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔ اور یہ کہ ہمارے پروردگار کی عظمت (شان) بہت بڑی ہے اور وہ نہ بیوی رکھتا ہے نہ اولاد۔ اور یہ کہ ہمارا بے وقوف (سردار ابلیس) اللہ کے بارے میں خلافِ حق باتیں کہتا رہا ہے۔"

آیات ۱۲ تا ۱۵ میں مذکور ہے کہ جنّوں کی اس جماعت نے اپنی قوم کو دعوت دیتے ہوئے آخر میں بہت خوبصورت انداز میں کہا:

وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ۙ﴿۵﴾ وَّاَنَّہٗ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْھُمْ رَھَقًا ۙ﴿۶﴾ وَّاَنَّھُمْ ظَنُّوْا کَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّبْعَثَ اللّٰہُ اَحَدًا ۙ﴿۷﴾ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰھَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّشُھُبًا ۙ﴿۸﴾ وَّاَنَّا کُنَّا نَقْعُدُ مِنْھَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْ لَہٗ شِھَابًا رَّصَدًا ۙ﴿۹﴾ وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِھِمْ رَبُّھُمْ رَشَدًا ۙ﴿۱۰﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِکَ ؕ کُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰہَ فِی الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَہٗ ھَرَبًا ۙ﴿۱۲﴾ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْھُدٰٓی اٰمَنَّا بِہٖ ؕ فَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِرَبِّہٖ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَھَقًا ۙ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِکَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۙ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَکَانُوْا لِجَھَنَّمَ حَطَبًا ۙ﴿۱۵﴾

"اور یہ کہ ہم نے یقین کر لیا ہے کہ ہم زمین میں (خواہ کہیں ہوں) اللہ کو ہرا نہیں سکتے اور نہ بھاگ کر اس کو تھکا سکتے ہیں۔ اور جب ہم نے ہدایت (کی کتاب) سنی اس پر ایمان لے آئے۔ تو جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لاتا ہے اس کو نہ نقصان کا خوف ہے اور نہ ظلم کا۔ اور یہ کہ ہم میں بعض فرمانبردار ہیں اور بعض (نافرمان) گنہگار ہیں۔ تو جو فرمانبردار ہوئے انہوں نے بھلائی کی راہ ڈھونڈ لی۔ اور جو گنہگار ہیں وہ دوزخ کا ایندھن (بننے والے) ہیں۔"

اس سورۃ کی آیت ۱۸ میں شعائرِ اسلام میں سے مساجد کا ذکر ہوا ہے: ﴿وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا ۙ﴿۱۸﴾﴾ "اور یہ مسجدیں (خاص) اللہ کی ہیں لہٰذا اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو" —— مساجد اسلامی شعائر میں سے ہیں۔ اسلامی تہذیب و تمدن میں مسجد معاشرت کی تنظیم کی بنیاد ہے، بایں معنی کہ ایک علاقے میں پنج وقتہ نماز ہو رہی ہے، لوگ جمع ہوتے ہیں، پھر جب کوئی نمازی نہیں آتا تو لوگوں کو تشویش ہونی چاہیے کہ آج

فلاں صاحب نہیں آئے‘ آؤ چل کر پتا کریں۔ ان مساجد کو تو معاشرتی رابطے (social contact) کا ذریعہ بننا چاہیے۔ یہ نہیں کہ نماز کے لیے آئے‘ نہ کسی کو دیکھا نہ کسی سے کچھ پوچھا‘ نہ کسی کی کوئی مزاج پرسی کی‘ بس سلام پھیرا اور چلے گئے۔ نبی اکرم ﷺ تو نماز کے بعد مسجد میں بیٹھ جاتے تھے اور صحابہ کرام ؓ سے مختلف موضوعات پر گفتگو فرماتے تھے۔ دراصل ہمارے ہاں مسجد کا نظام ان ہی چیزوں پر مبنی ہے۔

آیات ۲۵‘۲۶ میں یہ واضح کر دیا گیا کہ قیامت کے وقوع کا علم صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کو ہے اور اللہ ہی صرف عالم الغیب ہے۔ فرمایا:

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا ۝ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا ۝

’’(اے پیغمبر ﷺ! ان لوگوں سے) کہہ دو کہ مجھے معلوم نہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ نزدیک ہے یا میرے پروردگار نے اس کی مدت دراز کر دی ہے۔ غیب کا جاننے والا وہی ہے‘ سو وہ کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا۔‘‘

اگلی آیات میں ایک استثناء بیان کیا گیا ہے کہ اپنے جس پیغمبر کے لیے وہ پسند کرتا ہے اپنے علم غیب میں سے جس قدر چاہتا ہے اس پر ظاہر کر دیتا ہے۔

❁❁❁

ہماری ویب سائٹ

www.tanzeem.org

پر ملاحظہ کیجیے:

- ☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
- ☆ تلاوتِ قرآن‘ دروسِ قرآن‘ دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
- ☆ صحیح بخاری‘ صحیح مسلم‘ موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
- ☆ میثاق‘ حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
- ☆ اردو اور انگریزی کتابیں
- ☆ آڈیو/ویڈیو کیسٹس/سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم

ترتیب وتدوین: لطف الرحمٰن خان

سُورۃُ النِّساء

آیات ۸۸ تا ۹۰

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝

ر ك س

رَكَسَ يَرْكُسُ (ن) رَكْسًا: کسی چیز کو الٹ دینا۔

اَرْكَسَ (افعال) اِرْكَاسًا: کسی چیز کو پہلی حالت کی طرف لوٹا دینا' اوندھا کرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب: ''فِئَتَيْنِ'' خبر ہے' اس کا مبتدأ ''تَكُوْنُوْنَ'' محذوف ہے۔ ''فِي الْمُنٰفِقِيْنَ'' متعلق خبر ہے۔ ''فَتَكُوْنُوْنَ'' کی خبر ہونے کی وجہ سے ''سَوَآءً'' منصوب ہوا ہے۔ ''مِيْثَاقٌ'' مبتدأ مؤخر نکرہ ہے۔ اس کی خبر ''مَوْجُوْدٌ'' یا ''قَائِمٌ'' محذوف ہے' جبکہ ''بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ'' متعلق خبر ہے۔ ''حَصِرَتْ'' کا فاعل ''صُدُوْرُهُمْ'' ہے۔

ترجمہ:

فَمَا لَكُمْ :تو تمہیں کیا ہے
فِئَتَيْنِ :(تم لوگ ہوتے ہو) دو گروہ
اللّٰهُ :اللہ نے
بِمَا :بسبب اس کے جو
اَ :کیا
اَنْ :کہ
مَنْ :اس کو جسے
اللّٰهُ :اللہ نے
يُّضْلِلِ :گمراہ کرتا ہے
فَلَنْ تَجِدَ :تو ہرگز نہیں پائے گا تُو
سَبِيْلًا :کوئی راہ
لَوْ :(کہ) کاش
كَمَا :اس طرح جیسے
فَتَكُوْنُوْنَ :تو تم ہو جاؤ
فَلَا تَتَّخِذُوْا :پس تم مت بناؤ
اَوْلِيَآءَ :کوئی کارساز
يُهَاجِرُوْا :وہ ہجرت کریں
فَاِنْ :پھر اگر
فَخُذُوْهُمْ :تو تم گرفتار کرو ان کو
حَيْثُ :جہاں کہیں
وَلَا تَتَّخِذُوْا :اور مت بناؤ
وَلِيًّا :کوئی کارساز
اِلَّا الَّذِيْنَ :سوائے ان کے جو
اِلٰى قَوْمٍ :ایک ایسی قوم سے
وَبَيْنَهُمْ :اور جن کے درمیان
اَوْ :یا
حَصِرَتْ :گھٹن محسوس کریں
فِي الْمُنٰفِقِيْنَ :منافقوں (کے بارے) میں
وَ :حالانکہ
اَرْكَسَهُمْ :لوٹایا ان کو
كَسَبُوْا :انہوں نے کمایا
تُرِيْدُوْنَ :تم لوگ چاہتے ہو
تَهْدُوْا :تم ہدایت دو
اَضَلَّ :گمراہ کیا
وَمَنْ :اور جسے
اللّٰهُ :اللہ
لَهٗ :اُس کے لیے
وَدُّوْا :انہوں نے چاہا
تَكْفُرُوْنَ :تم کفر کرو
كَفَرُوْا :انہوں نے کفر کیا
سَوَآءً :برابر
مِنْهُمْ :ان میں سے
حَتّٰى :یہاں تک کہ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ :اللہ کی راہ میں
تَوَلَّوْا :وہ منہ موڑیں
وَاقْتُلُوْهُمْ :اور قتل کرو ان کو
وَجَدْتُّمُوْهُمْ :تم پاؤ ان کو
مِنْهُمْ :ان میں سے
وَّلَا نَصِيْرًا :اور نہ ہی کوئی مددگار
يَصِلُوْنَ :تعلق رکھتے ہیں
بَيْنَكُمْ :تمہارے درمیان
مِّيْثَاقٌ :ایک معاہدہ ہے
جَآءُوْكُمْ :وہ آئیں تمہارے پاس
صُدُوْرُهُمْ :جن کے سینے

اَنْ: کہ	یُّقَاتِلُوْکُمْ: وہ جنگ کریں تم سے
اَوْ: یا	یُقَاتِلُوْا: وہ جنگ کریں
قَوْمَھُمْ: اپنی قوم سے	وَلَوْ: اور اگر
شَآءَ: چاہتا	اللّٰہُ: اللہ
لَسَلَّطَھُمْ: تو غلبہ دیتا ان کو	عَلَیْکُمْ: تم پر
فَلَقٰتَلُوْکُمْ: تو وہ ضرور جنگ کرتے تم سے	فَاِنِ: پھر اگر
اعْتَزَلُوْکُمْ: وہ کنارہ کش ہوں تم سے	فَلَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ: پھر جنگ نہ کریں تم سے
وَاَلْقَوْا: اور وہ ڈالیں	اِلَیْکُمُ: تمہاری طرف
السَّلَمَ: صلح	فَمَا جَعَلَ: تو نہیں بنایا
اللّٰہُ: اللہ نے	لَکُمْ: تمہارے لیے
عَلَیْھِمْ: ان پر	سَبِیْلًا: کوئی راستہ

نوٹ ۱: آیت ۸۸ میں کہا گیا ہے کہ جس کو اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے فاعل حقیقی ہونے کے لحاظ سے کہی گئی ہے اور فاعل حقیقی کے مفہوم کی وضاحت البقرۃ: ۷ کے نوٹ ۴ میں کی جا چکی ہے۔

نوٹ ۲: فتح مکّہ سے پہلے تک ہجرت فرض تھی۔ یعنی اُس وقت ہر ایمان لانے والے پر یہ فرض ہو جاتا تھا کہ وہ اپنا قبیلہ اور گھر بار چھوڑ کر مدینہ میں آ کر آباد ہو۔ اگر کچھ لوگ خواہش کے باوجود ہجرت کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے، تو انہیں مُستضعَفین قرار دے دیا گیا۔ ان کا ذکر آگے آیت ۹۸ میں آیا ہے۔ لیکن اگر کوئی قدرت رکھنے کے باوجود ہجرت نہیں کرتا تھا تو اسے منافق قرار دیا گیا اور ان کے لیے حکم تھا کہ انہیں گرفتار کر کے قتل کیا جائے۔ البتہ اس حکم سے وہ لوگ مستثنیٰ تھے جن کی وضاحت اگلی آیت میں کی گئی ہے۔

نوٹ ۳: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ فتح مکّہ کے بعد ہجرت نہیں ہے (معارف القرآن)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ فتح مکّہ کے بعد دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ترکِ وطن کرنا فرض نہیں رہا، البتہ اللہ کی رضا جوئی کی نیت سے اگر اب بھی کوئی ترکِ وطن کرتا ہے تو اسے ہجرت کا ثواب ملے گا۔ جیسے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ہارنے کے بعد بہت سے مسلمان مختلف مسلم ممالک کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ لیکن جنہوں نے ہجرت نہیں کی ان کو نہ تو منافق قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی وہ واجب القتل ہیں۔ البتہ دارالکفر میں رہنے کی وجہ سے اسلام پر عمل کرنے میں ان سے جو کمی یا کوتاہی ہوئی، اس کے لیے حکمرانوں کے جبر اور ملکی حالات کا عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس کی وضاحت آگے آیت ۹۷ میں کی گئی ہے۔

آج کل اوّل تو کسی حقیقی دارالاسلام کا دنیا میں وجود نہیں ہے اور اگر کچھ نیم دارالاسلام ہیں بھی تو انہوں نے ویزا وغیرہ کی پابندیاں لگا کر تارکین وطن کے لیے اپنے دروازے بند کر رکھے ہیں۔ اس لیے غالب امکان یہی ہے کہ ہم لوگوں سے شاید ملکی حالات کا عذر قبول کر لیا جائے، لیکن اب ہم لوگوں سے یہ ضرور پوچھا جائے گا

کہ اپنے احوال اور صلاحیتوں کے مطابق غلبۂ اسلام کے جہاد میں کتنا حصہ لیا تھا؟ اگر اس کا جواب تسلی بخش نہ ہوا تو پھر آیت ۹۷ میں جو وعید ہے، شاید ہم بھی اس کے مستحق قرار دے دیے جائیں۔

نوٹ ۴ : اسلام کے مخالفین کو قتل کرنے کا حکم اس سے پہلے البقرۃ:۱۹۱ میں بھی آیا ہے اور اب آیات زیر مطالعہ میں آیا ہے۔ ان کے تقابلی مطالعہ سے ایک اہم بات سامنے آتی ہے، اسے سمجھ لیں۔ آیت ۱۹۱ کا حکم کافر حربی قوم کے ایسے افراد کے لیے ہے جو جنگ میں شریک ہوں۔ ایسے لوگوں کے لیے حکم ہے کہ وہ جہاں بھی ملیں ان کو قتل کر دو۔ جبکہ آیات زیر مطالعہ کا حکم ایسے منافقین کے لیے تھا جنہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد ہجرت نہیں کی۔ ان کے لیے یہ نہیں کہا گیا کہ وہ جہاں بھی ملیں ان کو قتل کر دو، بلکہ یہ کہا گیا کہ وہ جہاں بھی ملیں انہیں پہلے گرفتار کرو پھر قتل کرو۔ کیونکہ یہ بات تحقیق طلب ہے کہ وہ آیت ۹۰ کے تحت استثناء یا آیت ۹۸ کے تحت مستضعفین میں سے تو نہیں ہیں۔ اور اس کے فیصلے کا اختیار مرکز کے پاس تھا۔ اس لیے عام مسلمانوں کا کام یہ تھا کہ وہ انہیں گرفتار کر کے مرکز کے حوالے کر دیں۔ پھر مرکز اگر فیصلہ کرے تو ان کو قتل کیا جائے۔

اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام مسلمانوں کو نظم و ضبط کا پابند کرتا ہے۔ انارکی کی روش اختیار کرنا اسلام کے خلاف ہے۔ اس سے نیکی برباد اور گناہ لازم ہو جاتا ہے۔

آیت ۹۱

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ۭ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝

ترکیب : ''سَتَجِدُوْنَ'' کا مفعول ''اٰخَرِيْنَ'' ہے۔ ''يُرِيْدُوْنَ'' کا فاعل اس میں ''هُمْ'' کی ضمیر ہے جو ''اٰخَرِيْنَ'' کے لیے ہے۔ ''رُدُّوْا'' اور ''اُرْكِسُوْا'' ماضی مجہول ہیں لیکن ''كُلَّمَا'' شرطیہ کی وجہ سے ان کا ترجمہ حال میں ہوگا۔ ''لَمْ'' پر عطف ہونے کی وجہ سے ''يُلْقُوْا'' اور ''يَكُفُّوْا'' مجزوم ہوئے ہیں۔ ترجمہ میں اس کو ظاہر کرنا ہوگا۔

ترجمہ:

سَتَجِدُوْنَ: عنقریب تم پاؤ گے	اٰخَرِيْنَ: دوسروں کو
يُرِيْدُوْنَ: وہ چاہتے ہیں	اَنْ: کہ
يَّاْمَنُوْكُمْ: امن میں ہوں تم سے	وَيَاْمَنُوْا: اور امن میں ہوں
قَوْمَهُمْ: اپنی قوم سے	كُلَّمَا: جب کبھی
رُدُّوْٓا: وہ لوٹائے جاتے ہیں	اِلَى الْفِتْنَةِ: آزمائش کی طرف
اُرْكِسُوْا: تو وہ اوندھے کیے جاتے ہیں	فِيْهَا: اس میں

فَاِنْ: پھر اگر	لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ: وہ کنارہ کش نہ ہوں تم سے
وَيُلْقُوْٓا: اور نہ ڈالیں	اِلَيْكُمُ: تمہاری طرف
السَّلَمَ: صلح	وَيَكُفُّوْٓا: اور نہ روکیں
اَيْدِيَهُمْ: اپنے ہاتھوں کو	فَخُذُوْهُمْ: تو تم گرفتار کروان کو
وَاقْتُلُوْهُمْ: اور قتل کروان کو	حَيْثُ: جہاں بھی
ثَقِفْتُمُوْهُمْ: تم پاؤ ان کو	وَاُولٰٓئِكُمْ: اور یہ لوگ ہیں
جَعَلْنَا: ہم نے بنائی	لَكُمْ: تمہارے لیے
عَلَيْهِمْ: جن پر	سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا: ایک واضح دلیل

نوٹ: یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان کا اقرار کر کے مسلمانوں میں شامل ہو جاتے تھے لیکن رہن سہن اپنے قبیلے کے ساتھ رکھتے تھے۔ جب کبھی ان کے قبیلے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی کشمکش ہوتی تھی تو قبائلی دباؤ کے تحت مسلمانوں کے خلاف کارروائی میں حصہ لیتے تھے۔

آیات ۹۲۔۹۳

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝

و د ی

وَدٰی یَدِی (ض) وَدْیًا: کسی چیز کا بہنا۔

دِیَةٌ: خون بہا ادا کرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

وَادٍ ج اَوْدِیَةٌ: دو ٹیلوں یا پہاڑوں کے درمیان کا نشیبی علاقہ جہاں بارش کا پانی بہتا ہے' وادی۔ ﴿حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ﴾ (النمل:۱۸) ''یہاں تک کہ جب وہ پہنچے چیونٹیوں کی وادی پر۔'' ﴿اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ﴾ (الرعد:۱۷) ''اس نے اتارا آسمان سے کچھ پانی تو بہہ نکلیں وادیاں۔''

ع م د

عَمَدَ یَعْمِدُ (ض) عَمْدًا: (۱) قصد کرنا' ارادہ کرنا (۲) سہارا دینا' ستون لگانا۔

عِمَادٌ (اسم جنس' واحد عِمَادَةٌ اور جمع عَمَدٌ): جس کا سہارا لیا جائے' ستون۔ ﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ

رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝﴾ (الفجر) ''کیا تو نے دیکھا نہیں کیسا کیا تیرے رب نے (قوم) عاد کے ساتھ (رہنے والے) ارم کے' ستونوں والے۔'' ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ﴾ (الرعد:۲) ''اللہ وہ ہے جس نے بلند کیا آسمانوں کو ستونوں کے بغیر۔''

تَعَمَّدَ (تفعل) تَعَمُّدًا : بتکلف قصد کرنا' پختہ ارادہ کرنا۔ ﴿وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ (الاحزاب:۵) ''اور لیکن وہ جس کا پختہ ارادہ کیا تمہارے دلوں نے۔''

مُتَعَمِّدٌ (اسم الفاعل) : پختہ ارادہ کرنے والا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب : ''یَقْتُلَ'' اور ''قَتَلَ'' کے مفعول ''مُؤْمِنًا'' ہیں اور ''خَطَئًا'' حال ہیں۔ ''فَتَحْرِیْرُ'' مضاف' ''رَقَبَةٍ'' مضاف الیہ اور ''مُؤْمِنَةٍ'' اس کی صفت ہے۔ یہ پورا مرکب اضافی مبتدأ ہے اور اس کی خبر محذوف ہے جو ''ثَابِتٌ'' یا ''وَاجِبٌ'' ہو سکتی ہے۔ ''دِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ'' مرکب توصیفی ہے اور مبتدأ نکرہ ہے۔ اس کی بھی خبر محذوف ہے۔ ''اِلٰی اَهْلِهٖ'' قائم مقام خبر ہے۔ ''یَصَّدَّقُوْا'' باب تفعل سے ہے۔ اس کا فاعل اس میں ''هُمْ'' کی ضمیر ہے جو ''اَهْلِهٖ'' کے لیے ہے۔ ''مَنْ یَّقْتُلْ'' کا مفعول ''مُؤْمِنًا'' ہے جبکہ ''مُتَعَمِّدًا'' حال ہے۔

ترجمہ:

وَمَا كَانَ: اور نہیں ہے (روا)
اَنْ: کہ
مُؤْمِنًا: کسی مؤمن کو
خَطَئًا: غلطی سے
قَتَلَ: قتل کیا
خَطَئًا: غلطی سے

وَّدِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ: اور سپرد کیا ہوا خون بہا ہے
اِلَّآ اَنْ: سوائے اس کے کہ
فَاِنْ كَانَ: پھر اگر وہ تھا
وَهُوَ: اور وہ
فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ: تو کسی مؤمن گردن کا آزاد کرنا ہے
مِنْ قَوْمٍ: ایک ایسی قوم سے
وَبَیْنَهُمْ: اور جن کے درمیان
فَدِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ: تو سپرد کیا ہوا خون بہا ہے

لِمُؤْمِنٍ: کسی مؤمن کے لیے
یَّقْتُلَ: وہ قتل کرے
اِلَّا: مگر
وَمَنْ: اور جس نے
مُؤْمِنًا: کسی مؤمن کو
فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ: تو کسی مؤمن گردن کا آزاد کرنا ہے
اِلٰٓی اَهْلِهٖٓ: اس کے گھر والوں کی طرف
یَّصَّدَّقُوْا: وہ اپنا حق چھوڑ دیں
مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ: تمہاری دشمن قوم میں سے
مُؤْمِنٌ: مؤمن ہو
وَاِنْ كَانَ: اور اگر وہ تھا
بَیْنَكُمْ: تمہارے درمیان
مِّیْثَاقٌ: کوئی معاہدہ ہے
اِلٰٓی اَهْلِهٖ: اس کے گھر والوں کی طرف

وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ: اور کسی مؤمن گردن کا آزاد کرنا ہے	فَمَنْ: پھر جو
لَّمْ يَجِدْ: نہ پائے (اس کو)	فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ: تو لگاتار دو مہینے کے روزے ہیں
تَوْبَةً: توبہ کرتے ہوئے	مِّنَ اللّٰهِ: اللہ سے
وَكَانَ اللّٰهُ: اور اللہ ہے	عَلِيْمًا: جاننے والا
حَكِيْمًا: حکمت والا	وَمَنْ: اور جو
يَّقْتُلْ: قتل کرتا ہے	مُؤْمِنًا: کسی مؤمن کو
مُّتَعَمِّدًا: قصداً	فَجَزَآؤُهٗ: تو اس کی سزا
جَهَنَّمُ: جہنم ہے	خَالِدًا: ہمیشہ رہنے والا ہوتے ہوئے
فِيْهَا: اس میں	وَغَضِبَ: اور غضب کیا
اللّٰهُ: اللہ نے	عَلَيْهِ: اس پر
وَلَعَنَهٗ: اور اُس نے لعنت کی اس پر	وَاَعَدَّ: اور اُس نے تیار کیا
لَهٗ: اس کے لیے	عَذَابًا عَظِيْمًا: ایک بڑا عذاب

نوٹ: اب ایسے مسلمانوں کا ذکر ہے جو یا تو دارالاسلام کے باشندے ہوں' یا اگر دارالحرب یا دارالکفر میں ہوں تو دشمنانِ اسلام کی کارروائیوں میں ان کی شرکت کا کوئی ثبوت نہ ہو۔ ایسا کوئی مسلمان نادانستگی میں کسی مسلمان کے ہاتھ سے مارا جاتا ہے تو قاتل کو ایک غلام آزاد کرنا ہوگا اور خون بہا ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر مقتول ایسی قوم کا فرد تھا جس کے خلاف اعلانِ جنگ ہو چکا ہے' یعنی دارالحرب کا باشندہ تھا تو پھر صرف غلام آزاد کرنا ہوگا۔ (تفہیم القرآن)

لیکن اگر یہ قتل عمداً کیا گیا ہے تو پھر قاتل کی سزا ہمیشگی کی دوزخ ہے۔ یعنی وہ ان مسلمانوں میں شامل نہیں ہوگا جو اپنے گناہوں کے مطابق سزا بھگتنے کے بعد دوزخ سے نکال کر جنت میں پہنچا دیے جائیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ غضب فرماتا ہے' اس پر لعنت کرتا ہے اور اس کے لیے ایک عظیم عذاب اس نے تیار کر رکھا ہے۔

یہ بات ذہن میں واضح کر لیجیے کہ فقہ یا مسلک کے اختلاف کی بنیاد پر ایک دوسرے کو کافر کہنے سے کوئی کافر نہیں ہوتا' سب مسلمان رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اس قسم کی پریکٹس کو قطعی طور پر ناپسندیدہ قرار دیتا ہے اور اس بنیاد پر کسی کو قتل کرنے والا ایک مسلمان کا قاتل ہوتا ہے۔

آیات ۹۴ تا ۹۶

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ

لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

غَنِمَ يَغْنَمُ (س) غُنْمًا : کہیں سے بکریوں کا ہاتھ لگ جانا۔اس بنیادی مفہوم کے ساتھ ہر ایسے مال کے لیے آتا ہے جو دشمن سے حاصل کیا جائے۔ مالِ غنیمت حاصل کرنا۔ ﴿فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا﴾ (الانفال:٦٩) ''تو تم لوگ کھاؤ اس میں سے جو مالِ غنیمت تم نے حاصل کیا حلال ہوتے ہوئے اور پاکیزہ ہوتے ہوئے۔''

مَغْنَمٌ ج مَغَانِمُ (اسم ذات) :مالِ غنیمت۔آیت زیر مطالعہ۔

غَنَمٌ (اسم جنس) : بکریاں۔ ﴿وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ﴾ (طٰہٰ:١٨) ''اور میں پتے جھاڑتا ہوں اس سے اپنی بکریوں پر۔''

ترجمہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ :اے لوگو جو	اٰمَنُوْٓا :ایمان لائے
اِذَا :جب بھی	ضَرَبْتُمْ :تم نکلو
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ :اللہ کی راہ میں	فَتَبَيَّنُوْا :تو تحقیق کرلیا کرو
وَلَا تَقُوْلُوْا :اور تم مت کہو	لِمَنْ :اس کے لیے جس نے
اَلْقٰٓى : ڈالا	اِلَيْكُمُ :تمہاری طرف
السَّلٰمَ :سلام	لَسْتَ :کہ تو نہیں ہے
مُؤْمِنًا :مؤمن	تَبْتَغُوْنَ :تم جستجو کرتے ہو
عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا: دُنیوی زندگی کے عارضی سامان کی	فَعِنْدَ اللّٰهِ :تو اللہ کے پاس ہی
مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ :کثیر مالِ غنیمت ہیں	كَذٰلِكَ :اُس کی مانند
كُنْتُمْ :تم تھے	مِّنْ قَبْلُ :اس سے پہلے
فَمَنَّ :پھر احسان کیا	اللّٰهُ :اللہ نے
عَلَيْكُمْ :تم پر	فَتَبَيَّنُوْا :پس تم تحقیق کرلیا کرو
اِنَّ اللّٰهَ :یقیناً اللہ	كَانَ :ہے

بِمَا : اس سے جو	تَعْمَلُوْنَ : تم کرتے ہو
خَبِيْرًا : باخبر	لَا يَسْتَوِى : برابر نہیں ہوتے
الْقٰعِدُوْنَ : بیٹھنے والے	مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ : مؤمنوں میں سے
غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ : جو بغیر تکلیف والے ہوں	وَالْمُجٰهِدُوْنَ : اور جہاد کرنے والے
فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ : اللہ کی راہ میں	بِاَمْوَالِهِمْ : اپنے اموال سے
وَاَنْفُسِهِمْ : اور اپنی جانوں سے	فَضَّلَ : زیادہ بلند کیا
اللّٰهُ : اللہ نے	الْمُجٰهِدِيْنَ : جہاد کرنے والوں کو
بِاَمْوَالِهِمْ : اپنے اموال سے	وَاَنْفُسِهِمْ : اور اپنی جانوں سے
عَلَى الْقٰعِدِيْنَ : بیٹھ جانے والوں پر	دَرَجَةً : درجے کے لحاظ سے
وَكُلًّا : اور سب سے	وَّعَدَ : وعدہ کیا
اللّٰهُ : اللہ نے	الْحُسْنٰى : خوبصورت
وَفَضَّلَ : اور زیادہ کیا	اللّٰهُ : اللہ نے
الْمُجٰهِدِيْنَ : جہاد کرنے والوں کو	عَلَى الْقٰعِدِيْنَ : بیٹھ جانے والوں پر
اَجْرًا عَظِيْمًا : ایک شاندار اجر کے لحاظ سے	دَرَجٰتٍ : درجات ہوتے ہوئے
مِّنْهُ : اس (کی طرف) سے	وَمَغْفِرَةً : اور مغفرت ہوتے ہوئے
وَّرَحْمَةً : اور رحمت ہوتے ہوئے	وَكَانَ : اور ہے
اللّٰهُ : اللہ	غَفُوْرًا : بے انتہا بخشنے والا
رَّحِيْمًا : ہر حال میں رحم کرنے والا	

نوٹ ۱: جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کو مسلمان سمجھیں۔ اگر وہ نماز نہیں پڑھتا، روزہ نہیں رکھتا اور ہر قسم کے گناہوں میں ملوث ہے، پھر بھی اس کو اسلام سے خارج کہنے یا اس کے ساتھ کافروں کا معاملہ کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے جب تک اس سے کسی ایسے قول و فعل کا صدور نہ ہو جو کفر کی یقینی علامت ہے۔ (معارف القرآن)

نوٹ ۲ : اگر ایک مسلمان حقوق اللہ اور حقوق العباد کی حتی المقدور ادائیگی کرتا ہے لیکن اللہ کے دین کی نشر و اشاعت، دعوت و تبلیغ اور سربلندی کی جدوجہد میں حصہ نہیں لیتا، تو اس کوتاہی کی وجہ سے وہ دنیا میں فاسق یا مردود نہیں ہو جاتا بلکہ ایک اچھا مؤمن ہی رہتا ہے۔ البتہ جنت کی سوسائٹی میں، مذکورہ جدّوجُہد میں حصہ لینے والوں کے مقابلہ میں اس کا رتبہ (status) کمتر ہو گا۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ جہاد (قتال) فرضِ کفایہ ہے، فرضِ عین نہیں ہے۔ یعنی اگر مسلمانوں کی کافی تعداد وقت کی ضرورت کے مطابق جہاد کرتی رہے تو جہاد نہ کرنے والوں پر کوئی گناہ نہیں ورنہ سب گنہگار رہوں گے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

آیات ۹۷ تا ۱۰۰

?? ??? ?? ?? ?? ?? ??? ? ?Ë ??? ? Â ? ??Ìª Ë ??? ?? ? ?Ìÿ ?? ??? ????

?Ë ??? ??? ?Ë ???? Ç??Ð ?? ?? ? ???? ???? ?????? ? ?? ? ?? Ž??

??Ð ??? ? ?? ?? ? ?Ë ??? ?? ?? ?Ë?? ?? Š? ? Ÿ ?? ? ? ??Ìª ú? ?? ??Ë

?? ?? ? ? ??? ?? ?? ?ÇÀ? ? ?Å? ??? ? ?? ??? ? ??Ë ??? ?? ?Ë? Î??

ر غ م

رَغِمَ ۔ یَرْغَمُ (س) رَغَمًا :(۱) ذلیل ہونا۔(۲) رَغِمَ اِلٰی کسی کے پاس جانا۔

رَاغَمَ (مفاعلہ) مُرَاغَمَةً :(۱) ایک دوسرے کو ذلیل کرنا۔(۲) ایک دوسرے کے پاس جانا۔

مُرَاغَمٌ (اسم المفعول) :ظرف کے معنی میں جانے کی جگہ۔ آیت زیر مطالعہ۔

و ق ع

وَقَعَ یَقَعُ (ف) وُقُوْعًا اور وَقْعَةً :(۱) گر پڑنا۔(۲) ہو پڑنا' واقع ہونا۔(۳) ثابت ہونا' لازم ہونا۔ ﴿وَیُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ﴾ (الحج:٦٥) ''اور وہ تھامتا ہے آسمان کو کہ کہیں وہ گر پڑے زمین پر۔'' ﴿وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا﴾ (النمل:٨٥) ''اور ثابت ہوئی بات ان لوگوں پر بسبب اس کے جو انہوں نے ظلم کیا۔''

قَعْ (فعل امر) :تو گر پڑ' تو واقع ہو۔ ﴿فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ۝۲۹﴾ (الحجر) ''تو تم لوگ گر پڑنا اس کے لیے سجدہ کرنے والوں کی حالت میں۔''

وَاقِعٌ (اسم الفاعل) :گر پڑنے والا' واقع ہونے والا۔ ﴿وَظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ﴾ (الاعراف:١٧١) ''اور انہوں نے گمان کیا کہ وہ (یعنی پہاڑ) گر پڑنے والا ہے ان پر۔'' ﴿وَاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ۝۶﴾ (الذّٰریٰت) ''اور یقیناً بدلہ (یعنی بدلے کا دن) ضرور واقع ہونے والا ہے۔''

مَوْقَعٌ ج مَوَاقِعُ (اسم الظرف) :گر پڑنے کی جگہ۔ ﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ۝۷۵﴾ (الواقعہ) ''پس نہیں! میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے گر پڑنے (یعنی ڈوبنے) کی جگہوں کی۔''

وَاقَعَ (مفاعلہ) مُوَاقَعَةً :کسی چیز میں گرنا۔

مُوَاقِعٌ (اسم الفاعل) :گرنے والا۔ ﴿وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا﴾ (الکھف:٥٣) ''اور دیکھیں کہ مجرم لوگ آگ کو تو وہ گمان کریں گے کہ وہ گرنے والے ہیں اس میں۔''

ترکیب :''ظَالِمِیْ'' دراصل ''ظَالِمِیْنَ'' تھا جو ''اَلَّذِیْنَ'' کا حال ہونے کی وجہ سے حالتِ نصبی میں ہے اور

''اَنۡفُسِهِمۡ'' کا مضاف ہونے کی وجہ سے اس کا نون اعرابی گرا ہوا ہے۔ ''کُنَّا'' کا اسم اس میں ''نَحۡنُ'' کی ضمیر ہے اور ''مُسۡتَضۡعَفِيۡنَ'' اس کی خبر ہے۔ ''تَكُنۡ'' کا اسم ''اَرۡضُ اللّٰهِ'' اور ''وَاسِعَةً'' اس کی خبر ہے۔ ''اِلَّا الۡمُسۡتَضۡعَفِيۡنَ'' استثناء ہے ''كُنَّا مُسۡتَضۡعَفِيۡنَ'' سے اور اس کی مزید وضاحت ''مِنَ الرِّجَالِ'' کے ''مِنۡ'' بیانیہ سے ہوئی ہے۔ ''يَجِدۡ'' جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوا ہے اور مرکب توصیفی ''مُرٰغَمًا كَثِيۡرًا'' اس کا مفعول ہے جبکہ ''سَعَةً مُرَاغَمًا'' پر عطف ہے۔

ترجمہ:

اِنَّ الَّذِيۡنَ : بے شک وہ لوگ	تَوَفّٰهُمُ: پورا پورا لیتے ہیں جن کو (یعنی روح قبض کرتے ہیں)
الۡمَلٰٓئِكَةُ :فرشتے	ظَالِمِيۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ : خود پر ظلم کرنے والے ہوتے ہوئے
قَالُوۡا : وہ کہتے ہیں	فِيۡمَ : کس چیز میں
كُنۡتُمۡ :تم تھے	قَالُوۡۤا: وہ کہتے ہیں
كُنَّا : ہم	مُسۡتَضۡعَفِيۡنَ : کمزور تھے
فِى الۡاَرۡضِ: زمین میں	قَالُوۡۤا: وہ (فرشتے) کہتے ہیں
اَ: کیا	لَمۡ تَكُنۡ: نہیں تھی
اَرۡضُ اللّٰهِ :اللہ کی زمین	وَاسِعَةً : کشادہ
فَتُهَاجِرُوۡا :تو تم ہجرت کرتے	فِيۡهَا: اس میں
فَاُولٰٓئِكَ :پس وہ لوگ ہیں	مَاۡوٰىهُمۡ :جن کا ٹھکانہ
جَهَنَّمُ: جہنم ہے	وَسَآءَتۡ: اور کتنی بری ہے وہ
مَصِيۡرًا :لوٹنے کی جگہ	اِلَّا: سوائے اس کے کہ
الۡمُسۡتَضۡعَفِيۡنَ : کمزور ہوں	مِنَ الرِّجَالِ :مردوں میں سے
وَالنِّسَآءِ :اور عورتوں میں سے	وَالۡوِلۡدَانِ :اور بچوں میں سے
لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ: وہ استطاعت نہ رکھتے ہوں	حِيۡلَةً :کسی تدبیر کی
وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ: اور وہ نہ پاتے ہوں	سَبِيۡلًا :کوئی راستہ
فَاُولٰٓئِكَ :تو وہ لوگ ہیں	عَسَى اللّٰهُ اَنۡ: امید ہے کہ اللہ
يَّعۡفُوَ: درگزر کرے	عَنۡهُمۡ: جن سے
وَكَانَ: اور ہے	اللّٰهُ: اللہ
عَفُوًّا: بے انتہا درگزر کرنے والا	غَفُوۡرًا: بے انتہا بخشنے والا

وَمَنْ يُّهَاجِرْ: اور جو ہجرت کرے گا
يَجِدْ: تو وہ پائے گا
مُرٰغَمًا كَثِيْرًا: جانے کی کثیر جگہیں
سَعَةً: کشادگی
يَّخْرُجْ: نکلتا ہے
مُهَاجِرًا: ہجرت کرنے والا ہوتے ہوئے
وَرَسُوْلِهٖ: اور اس کے رسول کی طرف
يُدْرِكْهُ: آلیتی ہے اس کو
فَقَدْ وَقَعَ: تو واقع ہو چکا ہے
عَلَى اللّٰهِ: اللہ پر
اللّٰهُ: اللہ
رَّحِيْمًا: ہر حال میں رحم کرنے والا

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: اللہ کی راہ میں
فِي الْاَرْضِ: زمین میں
وَّ: اور
وَمَنْ: اور جو
مِنْۢ بَيْتِهٖ: اپنے گھر سے
اِلَى اللّٰهِ: اللہ کی طرف
ثُمَّ: پھر
الْمَوْتُ: موت
اَجْرُهٗ: اس کا اجر
وَكَانَ: اور ہے
غَفُوْرًا: بے انتہا بخشنے والا

آیات ۱۰۱ تا ۱۰۴

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۡ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَاۗىِٕكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَاۗىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَاۗءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

ق ص ر

قَصَرَ يَقْصُرُ (ن) قُصُوْرًا: (۱) ناقص ہونا' سست ہونا (لازم)۔ (۲) ناقص کرنا' نیچا رکھنا' کمی کرنا (متعدی)۔ آیت زیر مطالعہ۔

قَاصِرٌ (اسم الفاعل): نیچا رکھنے والا' کمی کرنے والا۔ ﴿وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ﴾ (صٓ:۵۲) ''اور ان کے پاس نگاہ نیچی رکھنے والیاں ہیں۔''

قَصَرَ یَقْصِرُ (ض) قَصْرًا : (۱) درودیوار مضبوط کرنا۔ (۲) رہائش دینا۔

قَصْرٌ ج قُصُوْرٌ: محل۔ ﴿اِنَّهَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾﴾ (المرسلت) ''بے شک وہ (دوزخ) پھینکے گی چنگاریاں محل کی مانند۔'' ﴿وَیَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾﴾ (الفرقان) ''اور وہ بنائے گا آپؐ کے لیے محلات۔''

مَقْصُوْرٌ (اسم المفعول): رہائش دیا ہوا۔ ﴿حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ﴿۷۲﴾﴾ (الرحمٰن) ''رہائش دی ہوئی حوریں ہیں خیموں میں۔''

اَقْصَرَ (افعال) اِقْصَارًا: گھٹانا' کم کرنا۔ ﴿یَمُدُّوْنَهُمْ فِی الْغَیِّ ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾﴾ (الاعراف) ''وہ بڑھاتے ہیں ان کی گمراہی میں پھر گھٹاتے نہیں۔''

قَصَّرَ (تفعیل) تَقْصِیْرًا : کم کرنا' تراشنا۔

مُقَصِّرٌ (اسم الفاعل) : تراشنے والا۔ ﴿مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ﴾ (الفتح:۲۷) ''مونڈنے والے اپنے سروں کو اور تراشنے والے۔''

س ل ح

سَلَحَ یَسْلَحُ (ف) سَلْحًا : ہتھیار پہننا' ہتھیار لگانا (اپنے آپ پر)۔

سِلَاحٌ ج اَسْلِحَةٌ (اسم ذات) : ہتھیار۔ آیت زیر مطالعہ۔

م ط ر

مَطَرَ یَمْطُرُ (ن) مَطْرًا : آسمان سے کسی چیز کا برسنا' جیسے بارش' اولے' پتھر وغیرہ۔

مَطَرٌ (اسم ذات) : برسنے والی چیز' بارش۔ آیت زیر مطالعہ۔

اَمْطَرَ (افعال) اِمْطَارًا : آسمان سے کسی چیز کو برسانا۔ ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا﴾ (الاعراف:۸٤) ''اور ہم نے برسائی ان پر ایک برسنے والی چیز۔''

اَمْطِرْ (فعل امر) : تو برسا۔ ﴿فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ﴾ (الانفال:۳۲) ''پھر تو برسا ہم پر کچھ پتھر آسمان سے۔''

مُمْطِرٌ (اسم الفاعل) : برسانے والا۔ ﴿هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا﴾ (الاحقاف:۲٤) ''یہ ایک بادل ہے' ہم پر برسانے والا ہے۔''

ترکیب : ''جُنَاحٌ'' مبتدأ مؤخر نکرہ ہے اور ''لَیْسَ'' کا اسم ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور ''عَلَیْكُمْ'' قائم مقام خبر ہے۔ ''اِنَّ'' کا اسم ''الْكٰفِرِیْنَ'' اور آگے ''كَانُوْا'' سے ''مُّبِیْنًا'' تک پورا جملہ اس کی خبر ہے۔ ''كَانُوْا'' کا اسم اس میں ''هُمْ'' کی ضمیر ہے جو ''الْكٰفِرِیْنَ'' کے لیے ہے۔ ''عَدُوًّا مُّبِیْنًا'' اس کی خبر ہے۔ ''كُنْتَ'' اور ''اَقَمْتَ'' افعال ماضی ہیں لیکن ان سے پہلے ''اِذَا'' شرطیہ آیا ہے اس لیے ان کا ترجمہ مستقبل میں ہوگا۔ ''طَآئِفَةٌ اُخْرٰی'' نکرہ مخصوصہ ہے اور ''لَمْ یُصَلُّوْا'' اس کی خصوصیت ہے۔ ''قِیَامًا' قُعُوْدًا'' اور ''عَلٰی جُنُوْبِكُمْ'' یہ تینوں حال ہیں۔ ''اِنَّ الصَّلٰوةَ'' سے ''مَوْقُوْتًا'' تک کے جملے کی بھی وہی ترکیب ہے جو اوپر ''اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ'' سے ''مُّبِیْنًا'' تک کے جملے کی دی گئی ہے۔

ترجمہ:

وَاِذَا :اور جب کبھی
فِی الْاَرْضِ :زمین میں
عَلَیْکُمْ :تم پر
اَنْ :کہ
مِنَ الصَّلٰوۃِ :نماز میں سے
خِفْتُمْ :تمہیں خوف ہو
یَّفْتِنَکُمُ :تمہیں تکلیف دیں گے
کَفَرُوْا :کفر کیا
کَانُوْا :ہیں
عَدُوًّا مُّبِیْنًا: کھلے دشمن
کُنْتَ :آپؐ ہوں گے
فَاَقَمْتَ:تو آپؐ قائم کریں گے
الصَّلٰوۃَ:نماز کو
طَآئِفَۃٌ :ایک جماعت
مَّعَکَ: آپؐ کے ساتھ
اَسْلِحَتَھُمْ :اپنے اسلحے
سَجَدُوْا: وہ سجدہ کرلیں
مِنْ وَّرَآئِکُمْ:تمہارے پیچھے
طَآئِفَۃٌ اُخْرٰی :دوسری جماعت
فَلْیُصَلُّوْا:تو چاہیے کہ وہ نماز پڑھیں
وَلْیَاْخُذُوْا :اور چاہیے کہ پکڑیں
وَاَسْلِحَتَھُمْ:اور اپنے اسلحے
الَّذِیْنَ:ان لوگوں نے جنہوں نے
لَوْ:(کہ) اگر
عَنْ اَسْلِحَتِکُمْ:اپنے اسلحوں سے
فَیَمِیْلُوْنَ :تو وہ پل پڑیں
مَّیْلَۃً وَّاحِدَۃً: یکبارگی حملہ کرکے
ضَرَبْتُمْ :تم سفر کرو
فَلَیْسَ :تو نہیں ہے
جُنَاحٌ :کوئی گناہ
تَقْصُرُوْا :تم کمی کرو
اِنْ :اگر
اَنْ :کہ
الَّذِیْنَ :وہ لوگ جنہوں نے
اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ :یقیناً کافر
لَکُمْ :تمہارے لیے
وَاِذَا:اور جب کبھی
فِیْھِمْ :ان میں
لَھُمُ :ان کے لیے
فَلْتَقُمْ :پس چاہیے کہ کھڑی ہو
مِّنْھُمْ :ان میں سے
وَلْیَاْخُذُوْٓا :اور چاہیے کہ وہ پکڑیں
فَاِذَا: پھر جب
فَلْیَکُوْنُوْا :تو چاہیے کہ وہ ہو جائیں
وَلْتَاْتِ :اور چاہیے کہ آئے
لَمْ یُصَلُّوْا :جس نے نماز نہیں پڑھی
مَعَکَ: آپؐ کے ساتھ
حِذْرَھُمْ :اپنا بچاؤ
وَدَّ :چاہا
کَفَرُوْا :کفر کیا
تَغْفُلُوْنَ :تم غافل ہوتے
وَاَمْتِعَتِکُمْ :اور اپنے سامانوں سے
عَلَیْکُمْ :تم پر
وَلَا جُنَاحَ :اور کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے

عَلَيْكُمْ: تم پر
كَانَ: ہو
اَذًى: کوئی تکلیف
اَوْ: یا
مَّرْضٰٓى: مریض
تَضَعُوْٓا: تم رکھ دو
وَخُذُوْا: اور پکڑو
اِنَّ: یقیناً
اَعَدَّ: تیار کیا ہے
عَذَابًا مُّهِيْنًا: ایک رسوا کرنے والا عذاب
قَضَيْتُمْ: تم پورا کرو
فَاذْكُرُوا: تو تم یاد کرو
قِيٰمًا: کھڑے ہوئے
وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ: اور اپنی کروٹوں پر
اطْمَاْنَنْتُمْ: تم مطمئن ہو
الصَّلٰوةَ: نماز کو
الصَّلٰوةَ: نماز
عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ: مومنوں پر
وَلَا تَهِنُوْا: اور تم سست مت ہو
اِنْ: اگر
فَاِنَّهُمْ: تو وہ لوگ (بھی)
كَمَا: اس کی مانند جیسی
وَتَرْجُوْنَ: اور تم امید رکھتے ہو
مَا: اس کی، جس کی
وَكَانَ: اور ہے
عَلِيْمًا: جاننے والا

اِنْ: اگر
بِكُمْ: تم کو
مِّنْ مَّطَرٍ: بارش سے
كُنْتُمْ: تم ہو
اَنْ: کہ
اَسْلِحَتَكُمْ: اپنے اسلحوں کو
حِذْرَكُمْ: اپنا بچاؤ
اللّٰهَ: اللہ نے
لِلْكٰفِرِيْنَ: کافروں کے لیے
فَاِذَا: پھر جب
الصَّلٰوةَ: نماز کو
اللّٰهَ: اللہ کو
وَّقُعُوْدًا: اور بیٹھے ہوئے
فَاِذَا: پھر جب
فَاَقِيْمُوا: تو تم قائم کرو
اِنَّ: بے شک
كَانَتْ: ہے
كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا: مقرر وقت پر فرض
فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ: اس قوم کی جستجو میں
تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ: تکلیف اٹھایا کرتے ہو تم
يَاْلَمُوْنَ: تکلیف اٹھاتے ہیں
تَاْلَمُوْنَ: تم تکلیف اٹھاتے ہو
مِنَ اللّٰهِ: اللہ سے
لَا يَرْجُوْنَ: وہ امید نہیں رکھتے
اللّٰهُ: اللہ
حَكِيْمًا: حکمت والا

نوٹ: ان آیات میں قصر نماز اور صلوٰۃِ خوف کا بیان ہے جن کی تفصیل خاصی طویل ہے۔ ان کو مستند تفاسیر میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یہاں ہم صرف اہم نکات بیان کریں گے۔ واضح رہے کہ یہ پورا نوٹ تفہیم القرآن سے ماخوذ ہے۔

(۱) آیت ۱۰۱ میں ﴿اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ؕ﴾ کے فقرے سے خیال آتا ہے کہ قصر کا حکم صرف خوف کے سفر کے لیے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی خیال نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا: ''یہ قصر کی اجازت ایک انعام ہے جو اللہ نے تمہیں بخشا ہے۔ لہٰذا اس کے انعام کو قبول کرو۔'' یہ بات قریب قریب تواتر سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے امن اور خوف دونوں حالتوں کے سفر میں قصر فرمایا ہے۔

(۲) زمانۂ امن کے سفر میں قصر یہ ہے کہ جن اوقات کی نماز میں چار رکعتیں فرض ہیں ان میں دو رکعتیں پڑھی جائیں اور حالت جنگ میں قصر کے لیے کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ جنگی حالات جس طرح اجازت دیں نماز پڑھی جائے۔ اگر حالات زیادہ پرخطر ہوں تو نماز کو مؤخر کیا جا سکتا ہے جیسا کہ جنگ خندق کے موقع پر ہوا۔

(۳) رسول اللہ ﷺ سفر میں فجر کی سنتوں اور عشاء کے وتر کا التزام فرماتے تھے' مگر باقی اوقات میں صرف فرض پڑھتے تھے۔ البتہ نفل نماز جب موقع ملتا تھا پڑھ لیا کرتے تھے۔ اسی بنا پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے لوگوں کو سفر میں فجر کے سوا دوسرے اوقات کی سنتیں پڑھنے سے منع کیا ہے۔ لیکن اکثر علماء سنتیں پڑھنے اور نہ پڑھنے' دونوں کو جائز قرار دیتے ہیں اور اسے بندے کے اختیار پر چھوڑ دیتے ہیں۔ فقہ حنفی کے مطابق مسافر جب راستہ طے کر رہا ہو تو سنتیں نہ پڑھنا افضل ہے اور جب کسی جگہ قیام کر لے تو پڑھنا افضل ہے۔

(۴) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ۴۸ میل (۷۷ کلومیٹر) یا اس سے زیادہ طویل سفر میں قصر کیا جائے گا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ۴۵ میل (۷۲٫۴ کلومیٹر)' حضرت انس رضی اللہ عنہ کے نزدیک ۱۵ میل (۲۴ کلومیٹر) کے سفر میں قصر کرنا جائز ہے۔

(۵) سفر میں کسی جگہ ۱۵ دن یا اس سے زیادہ قیام کی نیت ہو تو پھر پوری نماز ادا کرنی ہوگی۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ چار دن' جبکہ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ چار دن سے زیادہ کے ارادۂ قیام پر قصر کو جائز نہیں سمجھتے۔ نبی ﷺ سے اس باب میں کوئی صریح حکم مروی نہیں ہے۔

❁❁❁

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

اشاعت خاص: 40 روپے اشاعت عام: 25 روپے

مسلمان کے مسلمان پر حقوق

مدرس: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: قَالَ ((حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ)) قِيْلَ مَاهُنَّ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: ((اِذَا لَقِيْتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، وَاِذَا دَعَاكَ فَاَجِبْهُ، وَاِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ، وَاِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتْهُ وَاِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ، وَاِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ)) (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ (خاص) حق ہیں''۔ پوچھا گیا: وہ کون سے ہیں یارسول اللہ؟ آپؐ نے فرمایا: (۱) جب ملاقات ہو تو اسے سلام کرے (۲) جب وہ مدعو کرے تو اُس کی دعوت قبول کرے (بشرطیکہ کوئی شرعی محذور اور مانع نہ ہو) (۳) جب وہ نصیحت (یا مخلصانہ مشورہ) کا طالب ہو تو اس سے دریغ نہ کرے (۴) جب اس کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو (یَرْحَمُكَ اللّٰه کے ساتھ) جواب دے (۵) جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے اور (۶) جب وہ انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے۔''

اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جو متاخرین صحابہ میں سے ہیں۔ انہوں نے ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ اس وقت ان کی عمر تیس سال تھی۔ اگرچہ آپ کو صحابیؓ کی حیثیت سے حضور ﷺ کی خدمت میں رہنے کا بہت تھوڑا عرصہ ملا، مگر آپؓ کی بیان کردہ روایات سب سے زیادہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو علم کا ظرف فرمایا تھا۔ ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا کہ میں جو کچھ سنتا ہوں بھول جاتا ہوں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: ''جب میں بولوں تو تم اپنا جُبّہ پھیلا دیا کرو اور جب میں بات کر چکوں تو اسے اپنے گرد لپیٹ لیا کرو''۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ نے ایسا ہی کیا اور پھر اس کے بعد سے وہ کوئی بات نہ بھولے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی اس دعا ہی کی برکت تھی کہ وہ کوئی بات نہ بھولتے تھے اور وہ بڑے اطمینان کے ساتھ حدیث بیان کر دیتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق گنوائے ہیں۔ حقوق و فرائض دو متضاد الفاظ ہیں۔ ایک شخص کے حقوق دوسرے کے فرائض ہیں۔ یہاں چونکہ دونوں فریق مسلمان ہیں، لہٰذا جو ایک مسلمان کے حقوق ہیں وہی اس کے فرائض بھی ہیں۔ ان چھ حقوق میں سے پہلا حق سلام کرنا ہے۔ جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے کو سلامتی کی دعا دیتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا، وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا، اَوَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ اِذَا

فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ: اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ)) (رواہ مسلم)

''تم جنت میں نہیں جا سکتے تاوقتیکہ تم کامل مؤمن بن جاؤ' اور تم کامل مؤمن نہیں بن سکتے جب تک کہ تم میں محبت اور یگانگت نہ ہو جائے۔ کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتا دوں جس کے کرنے سے تمہارے درمیان محبت اور یگانگت پیدا ہو جائے۔ (وہ یہ ہے کہ) سلام کو آپس میں خوب پھیلاؤ۔''

سلام کے حوالے سے ایک اصول یہ ہے کہ جس کو سلام کیا جائے وہ بہتر جواب دے۔ السلام علیکم کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کے جواب میں وبرکاتہ کا اضافہ کرے' جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا﴾ (النساء:٨٦) ''اور جب تمہیں سلامتی کی دعا دی جائے تو تم بھی سلامتی کی اس سے بہتر دعا دو یا اسی کو لوٹا دو۔''

اہلِ ایمان کو چاہیے کہ سلام کرنے میں پہل کریں۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاللّٰهِ مَنْ بَدَأَهُمْ بِالسَّلَامِ)) (رواہ ابوداؤد)

''لوگوں میں اللہ کے قریب (اور اس کی رحمت کا زیادہ مستحق) وہ بندہ ہے جو لوگوں کو سلام کرنے میں پہل کرے۔''

اسی طرح آپ ﷺ نے سلام میں پہل کرنے والے کو تکبر سے بری قرار دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

((اَلْبَادِئُ بِالسَّلَامِ بَرِیْءٌ مِنَ الْكِبْرِ)) (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

''سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے بری ہے۔''

سلام کے آداب میں یہ بھی ہے کہ گھر میں داخل ہوں تو گھر والوں کو سلام کریں اور جب گھر سے نکلیں تو بھی سلام کر کے نکلیں۔ ایک مرسل حدیث میں ہے:

((اِذَا دَخَلْتُمْ بَيْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَهْلِهٖ وَاِذَا خَرَجْتُمْ فَوَدِّعُوْا اَهْلَهٗ بِسَلَامٍ)) (رواہ البیھقی)

''جب تم گھر میں جاؤ تو گھر والوں کو سلام کرو اور پھر جب گھر سے نکلو اور جانے لگو تو وداعی سلام کر کے نکلو۔''

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر دوسرا حق یہ ہے کہ جب وہ دعوت پر بلائے تو اس کی دعوت قبول کرے۔ دعوت باہمی تعلقات اور محبت بڑھانے کا ذریعہ ہے۔ اس بات کو پسند نہیں کیا گیا کہ کسی کو دعوت پر بلایا جائے اور وہ جانے سے انکار کر دے اِلا یہ کہ کوئی حقیقی شرعی عذر ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِئْتُوا الدَّعْوَةَ اِذَا دُعِيْتُمْ)) ''جب تم دعوت میں بلائے جاؤ تو ضرور جاؤ۔''

ظاہر ہے ہر کسی کے رشتہ دار اور دوست احباب ہوتے ہیں اور دعوت کرنے والا تمام تعلق داروں کو تو نہیں بلا سکتا۔ اگر وہ کسی کو ترجیح دے کر دعوت پر بلاتا ہے تو اُس کی محبت کا جواب دعوت میں شامل ہو کر دینا ضروری ہے۔ ولیمہ ایک مسنون عمل ہے اور اگر کسی کو ولیمے کی دعوت پر بلایا جائے تو وہ ضرور جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا دُعِيَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْوَلِيْمَةِ فَلْيَاْتِهَا)) (رواہ مسلم)

''جب تم میں سے کسی کو ولیمے کی دعوت پر بلایا جائے تو وہ ضرور شرکت کرے۔''

مسلمان بھائی کی طرف سے دعوت پر بلائے جانے پر بلا عذر شرکت نہ کرنے کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی سمجھا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ)) (رواہ مسلم)

''جس شخص نے دعوت ولیمہ قبول نہ کی اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔''

شادی ایک خوشی کا موقع ہوتا ہے اور اس موقع پر عزیز و اقارب اور رشتہ داروں کو اپنی خوشی میں شامل کرنے کے لیے ولیمہ کرنے کا حکم ہے اور یہاں بھی تاکید کی گئی ہے کہ جس کو ولیمہ کی دعوت میں بلایا جائے وہ ضرور جائے۔

مسلمان پر مسلمان کا تیسرا حق یہ ہے کہ وہ اس کا بھلا چاہے' اس کی ضرورت پوری کرنے میں مستعد ہو اور اگر وہ مشورہ چاہے تو اس کو صحیح مشورہ دے۔ دوسرے مسلمان کو اپنا بھائی سمجھنے کا تقاضا یہی ہے کہ اس کی خوشی میں خوشی کا اظہار کرے اور غمی میں اس کی ڈھارس بندھائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ)) (رواہ مسلم) ''دین تو خیر خواہی کا نام ہے''۔ حضرت مقداد بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

''تم میں سے کسی کو اپنے بھائی سے محبت ہو تو اسے وہ اس بات کی خبر کر دے کہ مجھے تم سے محبت ہے۔''

جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ اظہار محبت کرتا ہے تو اس طرح دوسرے کے دل میں بھی اس کی محبت بڑھ جاتی ہے اور محبت تو جتنی زیادہ ہوگی طرفین کے لیے اتنی ہی مفید ہوگی۔

مسلمان کا مسلمان پر چوتھا حق یہ ہے کہ جب اس کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو یہ اُس کے جواب میں یرحمک اللہ کہے۔ اسلام میں موقعہ کی مناسبت سے دعائیہ کلمات سکھائے گئے ہیں۔ چھینک کے ذریعے ایسی رطوبت دماغ سے نکل جاتی ہے جو اگر نہ نکلے تو بیماری کا باعث بن سکتی ہے۔ اس لیے صحت و اعتدال کی حالت میں چھینک آنا گویا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے' لہٰذا جس کو چھینک آئے وہ اللہ کا شکر ادا کرے اور زبان سے الحمد للہ کہے اور پاس بیٹھا مسلمان بھائی اس کی زبان سے الحمد للہ سن کر یرحمک اللہ کے الفاظ کے ساتھ اس کو دعا دے' یعنی یہ چھینک تمہارے لیے خیر و برکت کا ذریعہ بنے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلْيَقُلْ لَهٗ اَخُوْهُ اَوْ صَاحِبُهٗ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، فَاِذَا قَالَ لَهٗ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَلْيَقُلْ يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ)) (رواہ البخاری)

''جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اسے چاہیے کہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کہے اور اس کا بھائی یا ساتھی (جو اس کے پاس ہو وہ) کہے ''يَرْحَمُكَ اللّٰهُ'' (تم پر اللہ کی رحمت ہو) اور جب یہ بھائی ''يَرْحَمُكَ اللّٰهُ'' (کا دعائیہ کلمہ) کہے تو چاہیے کہ چھینکنے والا (اس کے جواب میں) ''يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ'' (اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت سے نوازے اور تمہارے حالات درست فرما دے) کہے۔''

لیکن اگر کوئی بندہ چھینک آنے پر غفلت کر جاتا ہے اور الحمد للہ نہیں کہتا تو پاس بیٹھنے والا اس کی چھینک سن کر جواب میں یرحمک اللہ نہیں کہے گا اور چھینک مارنے والا ثواب سے محروم رہ جائے گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

عَطَسَ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَشَمَّتَ اَحَدَهُمَا وَلَمْ يُشَمِّتِ الْآخَرَ فَقَالَ الرَّجُلُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ شَمَّتَ هٰذَا وَلَمْ تُشَمِّتْنِيْ! قَالَ: ((اِنَّ هٰذَا حَمِدَ اللّٰهَ وَلَمْ تَحْمَدِ اللّٰهَ))

(رواه البخاری و مسلم)

''رسول اللہ ﷺ کے پاس (بیٹھے ہوئے) دو آدمیوں کو چھینک آئی تو آپ ﷺ نے ایک کو 'یَرْحَمُكَ اللّٰهُ'' کہہ کر دعا دی اور دوسرے کو آپ ﷺ نے ''یَرْحَمُكَ اللّٰهُ'' نہیں کہا۔ تو اس دوسرے نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے اس (بھائی) کو 'یَرْحَمُكَ اللّٰهُ'' کہہ کے دعا دی اور مجھے یہ دعا نہیں دی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اس (بھائی) نے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰه'' کہا تھا اور تم نے نہیں کہا (اس لیے خود تم نے نے 'یَرْحَمُكَ اللّٰهُ'' کا حق کھو دیا)۔''

اسی طرح کسی کو پہلی چھینک آئے اور وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہے تو پاس بیٹھا بھائی یَرْحَمُكَ اللّٰه کہے' لیکن اگر وہ بار بار چھینکتا جائے تو جواب نہ دے' کیونکہ وہ بیماری کی وجہ سے ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

وَعَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَهٗ فَقَالَ لَهٗ ((يَرْحَمُكَ اللّٰهُ)) ثُمَّ عَطَسَ اُخْرٰى فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلرَّجُلُ مَزْكُوْمٌ)) (رواه مسلم)

''رسول اللہ ﷺ کے پاس (بیٹھے ہوئے) ایک شخص کو چھینک آئی تو آپؐ نے ''یرحمک اللہ'' کہہ کر اس کو دعا دی۔ اس کو دوبارہ چھینک آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ زکام میں مبتلا ہے۔''

اسلام کی اس تعلیم کو رواج دینا چاہیے کہ مفت میں سنت پر عمل کرنے کا ثواب مل جائے اور دوسرے کے لیے خیر خواہی کی دعا کرنے کا اجر بھی حاصل ہو۔ آج کل اس عمل سے غفلت برتی جا رہی ہے۔ نہ کوئی چھینک آنے پر الحمدللہ کہتا ہے اور نہ جواب میں یرحمک اللہ کا دعائیہ جملہ سننے کو ملتا ہے' اِلا ماشاء اللہ۔

مسلمان کا مسلمان پر پانچواں حق یہ ہے کہ اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرے۔ بیماری کی حالت میں انسان کے ساتھ کوئی شخص ہمدردی کا اظہار کرے اور اُس کے حق میں صحت کی دعا کرے تو اس کا دل خوش ہو جاتا ہے اور کسی کا دل خوش کرنا خود بہت بڑی نیکی ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا دَخَلْتُمْ عَلَى الْمَرِيْضِ فَنَفِّسُوْا لَهٗ فِيْ اَجَلِهٖ فَاِنَّ ذٰلِكَ لَا يَرُدُّ شَيْئًا وَيُطَيِّبُ نَفْسَهٗ))

(رواه الترمذی و ابن ماجة)

''جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اس کی عمر کے بارے میں اس کے دل کو خوش کرو (یعنی اس کی عمر اور زندگی کے بارے میں خوش کن اور اطمینان بخش باتیں کرو۔ مثلاً یہ کہ تمہاری حالت بہتر ہے' ان شاء اللہ تم جلد ہی تندرست ہو جاؤ گے) اس طرح کی باتیں کسی ہونے والی چیز کو روک تو نہ سکیں گی لیکن اس سے اس کا دل خوش ہوگا (اور یہی عیادت کا مقصد ہے)۔''

کسی مسلمان بھائی کی عیادت میں جو وقت گزارا جاتا ہے وہ اس قدر مقدس ہے کہ گویا وہ شخص اتنی دیر جنت میں رہتا ہے۔ یوں مسلمان بھائی کی عیادت کرنا بہت فضیلت والا عمل ہے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا عَادَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ یَزَلْ فِیْ خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰی یَرْجِعَ)) (رواہ مسلم)

''بندۂ مؤمن جب اپنے صاحب ایمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو واپس آنے تک وہ گویا جنت کے باغ میں ہوتا ہے۔''

عیادت کرنے والے کا عیادت کے آداب سے واقف ہونا بھی ضروری ہے تاکہ اس کا عیادت کرنا مریض کے لیے تکلیف کا باعث نہ ہو۔ مریض کے پاس تھوڑا سا وقت ٹھہرا جائے' اُس کو تسلّی اور تشفّی کے کلمات کہے جائیں اور بہتر ہے کہ مسنون کلمات کے ساتھ اس پر دم کیا جائے۔ اس کو بشارت دی جائے کہ یہ بیماری تمہارے گناہوں کو مٹا دے گی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

((کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اشْتَکٰی مِنَّا اِنْسَانٌ مَسَحَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ثُمَّ قَالَ: ((اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا یُغَادِرُ سَقَمًا)) (رواہ مسلم)

''جب ہم میں سے کوئی آدمی بیمار ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اپنا داہنا ہاتھ اس کے جسم پر پھیرتے اور یہ دعا پڑھتے: اے تمام لوگوں کے پروردگار! اس بندے کی تکلیف دور فرما دے اور شفا عطا فرما دے' تو ہی شفا دینے والا ہے' تیرے علاوہ کوئی شفا دینے والا نہیں ہے' پس ایسی کامل شفا عطا فرما جو بیماری بالکل نہ چھوڑے۔''

یہاں بھی غفلت عام ہے کہ صرف اسی مریض کی عیادت کے لیے وقت نکالا جاتا ہے جس کی عیادت کے لیے نہ جانے پر عزیز و اقارب یا دوست احباب کی طرف سے ناراضگی کا خطرہ ہو' حالانکہ یہ اس قدر فضیلت والا عمل ہے کہ اس کے لیے آدمی کو ہر وقت آمادہ رہنا چاہیے کہ چند منٹ کی یہ ملاقات ڈھیروں ثواب کا باعث ہے۔

مسلمان کا مسلمان پر چھٹا حق یہ ہے کہ وہ فوت ہو جائے تو اس کی نماز جنازہ میں شرکت کرے۔ نماز جنازہ جہاں میت کے لیے مفید ہے وہاں جنازہ پڑھنے والوں کے لیے بھی بے حد اجر و ثواب کا باعث ہے۔ اس کے علاوہ اس وقت ماحول پر اللہ کا خوف طاری ہوتا ہے' دل میں رقت پیدا ہوتی ہے' قبروں میں دفن لوگوں کی بے بسی ظاہر ہوتی ہے اور اپنی موت بھی یاد آتی ہے۔ اس لیے قبرستان کی زیارت کی تلقین کی گئی ہے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کو تعلیم فرماتے تھے کہ جب وہ قبرستان جائیں تو اہل قبور پر اس طرح سلام پڑھیں اور ان کے لیے دعا کریں:

((اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَهْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِکُمْ لَلَاحِقُوْنَ اَسْئَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَکُمُ الْعَافِیَةَ)) (رواہ مسلم و احمد)

''سلام ہو تم پر اے گھروں (قبروں) والو! مؤمنوں میں سے اور مسلموں میں سے۔ اور ان شاء اللہ ہم تم سے آ ملنے والے ہیں۔ میں اللہ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے عافیت (یعنی چین اور سکون کا) سوال کرتا ہوں۔''

نمازِ جنازہ فرض کفایہ ہے' یعنی معدودے چند آدمی بھی جنازے میں شامل ہو جائیں تو کافی ہے' لیکن یاد رہے کہ پیچھے بیٹھے رہنے والے عدم شمولیت کی بنا پر گناہ گار تو نہیں ہوں گے' مگر جنازہ پڑھنے کا ثواب ان ہی کو ملے گا

جونماز جنازہ میں شامل ہوئے۔ یہاں بھی ایک غفلت نظر آتی ہے کہ لوگ اسی شخص کے جنازے میں جاتے ہیں جس کے ساتھ رشتہ داری یا دوستی کا تعلق ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ گلی محلے کا کوئی آدمی فوت ہو جائے تو اس کے جنازے میں شامل ہونے کو ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ یہ طرزِ عمل اچھا نہیں۔ کسی بھی مسلمان بھائی کے جنازے میں شرکت کا موقع ملے تو ضرور اس میں شامل ہو کر ثواب حاصل کریں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا وَّكَانَ مَعَهٗ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا وَيَفْرُغَ مِنْ دَفْنِهَا فَاِنَّهٗ يَرْجِعُ مِنَ الْاَجْرِ بِقِيْرَاطَيْنِ كُلُّ قِيْرَاطٍ مِثْلُ اُحُدٍ، وَمَنْ صَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ اَنْ تُدْفَنَ فَاِنَّهٗ يَرْجِعُ بِقِيْرَاطٍ)) (رواه البخاری و مسلم)

''جو آدمی ایمان کی صفت کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ جائے اور اس وقت تک جنازے کے ساتھ رہے جب تک کہ اس پر نماز پڑھی جائے اور اس کے دفن ہونے سے فراغت ہو تو وہ ثواب کے دو قیراط لے کر واپس ہوگا' جن میں سے ہر قیراط گویا اُحد پہاڑ کے برابر ہوگا' اور جو آدمی صرف نماز جنازہ پڑھ کے واپس آ جائے (دفن ہونے تک ساتھ نہ رہے) تو وہ ثواب کا (ایسا ہی) ایک قیراط لے کر واپس ہوگا۔''

پس اگر حالات اجازت دیں تو نماز جنازہ کے بعد قبرستان تک میت کے ساتھ رہے اور اس کے دفن ہونے میں معاونت کرے اور حاضر رہے۔

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ قبر مٹی ہی کی ہونی چاہیے' اس کو پختہ کرنے کی ممانعت ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ قبر کچی ہوگی تو کچھ عرصے بعد وہ بوسیدہ ہو کر ختم ہو جائے گی اور اس کی جگہ کسی دوسرے کے دفن کے لیے گنجائش نکل آئے گی' مگر پختہ قبر تو مدتوں قائم رہے گی۔ رسول اللہ ﷺ کے تمام احکام حد درجہ حکمت پر مبنی ہیں' ان پر عمل کرنا ثواب اور فائدے کا باعث ہے۔ قبور کے بارے میں آپ ﷺ نے واضح ہدایات دی ہیں۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ وَاَنْ يُبْنٰى عَلَيْهِ (رواه مسلم)

''رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ قبر کو گچھ سے پختہ کیا جائے یا اس پر بیٹھا جائے یا اس پر عمارت بنائی جائے۔''

گویا کسی قبر پر بیٹھنا اس کی بے حرمتی ہے' جبکہ اگر قبر کو پختہ کر دیا جائے' اس پر عمارت بنائی جائے تو شرک پسند طبیعتیں اس کو پرستش گاہ بنا لیں گی۔ جن بزرگوں کے مزارات پر شاندار مقبرے بنے ہوتے ہیں وہاں جو خرافات ہوتی ہیں وہ سب کے سامنے ہیں' اور جن بزرگوں کی قبریں سادہ اور کچی ہیں ان پر نہ کوئی میلہ لگتا ہے اور نہ خرافات ہوتی ہیں۔

میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب پیج www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی تفسیر ''بیان القرآن'' کا جائزہ

غلام حیدر ☆

ڈاکٹر اسرار احمدؒ (م: ۲۰۱۰ء) کی قرآنی خدمات میں ''بیان القرآن'' ایک اہم حیثیت رکھتی ہے۔ ۱۹۸۴ء سے نماز تراویح کے دوران ڈاکٹر صاحب نے قرآن مجید کا ترجمہ اور مختصر تفسیر بیان کرنا شروع کیا۔ ڈاکٹر صاحب کے اس دورۂ ترجمہ قرآن کو دنیا بھر میں مقبولیت حاصل ہوئی۔

۱۹۹۸ء میں کراچی کی قرآن اکیڈمی میں ہونے والے دورۂ ترجمہ قرآن کو ''بیان القرآن'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع کرنے کا کام ڈاکٹر صاحب کی زندگی ہی میں شروع ہو گیا تھا۔ اس کی ترتیب و تدوین کا بیڑا حافظ خالد محمود خضر نے اٹھایا اور اس کی اشاعت کا اہتمام انجمن خدام القرآن خیبر پختونخوا پشاور نے کیا۔ اس وقت تک ''بیان القرآن'' کی چار جلدیں سورۃ الکہف تک شائع ہو چکی ہیں۔

ذیل میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل ترجمہ و مختصر تفسیر ''بیان القرآن'' کی خصوصیات بیان کی جاتی ہیں:

(۱) ڈاکٹر صاحب بڑی سادہ زبان میں مدلّل طریقے سے تفسیری نکات پیش کرتے تھے۔ ایسا آسان اور قابلِ فہم طریقہ تفسیر استعمال کرتے کہ لوگوں کو بات سمجھ میں آ جائے۔ سورۃ البقرۃ کی پہلی آیت کے ضمن میں حروفِ مقطعات کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''یہ حروفِ مقطعات ہیں' جن کے بارے میں یہ جان لیجیے کہ ان کے حقیقی' حتمی اور یقینی مفہوم کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے۔ یہ ایک راز ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مابین۔ حروفِ مقطعات کے بارے میں اگرچہ بہت سی آراء ظاہر کی گئی ہیں' لیکن ان میں سے کوئی شے رسول اللہ ﷺ سے منقول نہیں ہے۔ البتہ یہ بات ثابت ہے کہ اس طرح کے حروفِ مقطعات کا کلام میں استعمال عرب میں معروف تھا' اس لیے کسی نے ان پر اعتراض نہیں کیا۔ قرآن مجید کی ۱۱۴ میں سے ۲۹ سورتیں ایسی ہیں جن کا آغاز حروفِ مقطعات سے ہوا ہے۔'' (۱)

ڈاکٹر صاحب مشکل سے مشکل مسائل پر بھی سادہ انداز سے گفتگو کرتے تاکہ سامعین قرآن کے پیغام کو سمجھنے میں کسی قسم کی دقت محسوس نہ کریں۔

(۲) ''بیان القرآن'' کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو ایک آیت کی تفسیر سے متعلق دوسری آیات حفظ تھیں۔ وہ جب ایک آیت کے تحت کسی موضوع کو بیان کرتے تو اس کے استشہاد میں قرآن کی دوسری

☆ لیکچرر شعبہ علوم اسلامیہ' یونیورسٹی آف ایگریکلچر' فیصل آباد

آیت بیان کرتے۔یعنی ان کی تفسیر من مانی تفسیر نہیں ہے' بلکہ قرآن پاک کی جس آیت کو بیان کیا' قرآن کی دوسری آیت سے اس کا استشہاد بھی بیان کیا۔سورۃ الانعام کی آیت ۱۷ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ﴾

''اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچا دی جائے کوئی تکلیف تو کوئی نہیں ہے اس کا دور کرنے والا سوائے اُس کے۔''

ڈاکٹر صاحب اس آیت کے ضمن میں کہتے ہیں:

''اب یہ توحید کا بیان ہے۔تکلیف میں پکارو تو اُسی کو پکارو' کسی اور کو نہ پکارو۔وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (القصص:۸۸)۔وہی مشکل کشا ہے' وہی حاجت روا ہے اور وہی تمہاری تکلیفوں کو رفع کرنے والا ہے۔''(۲)

(۳) ''بیان القرآن'' کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ قرآن پاک کی آیات کی تشریح کے دوران اکثر مقامات پر احادیث سے بھی استشہاد کیا گیا ہے۔سورۂ آل عمران کی آیت ۱۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ.....﴾

''مزین کر دی گئی ہے لوگوں کے لیے مرغوباتِ دنیا کی محبت جیسے عورتیں اور بیٹے.....''

ڈاکٹر اسرار احمدؒ اس آیت کے ضمن میں درج ذیل حدیث بیان کرتے ہیں:

((مَا تَرَكْتُ بَعْدِیْ فِتْنَةً اَضَرَّ عَلَی الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ))

''میں نے اپنے بعد مَردوں کے لیے عورتوں کے فتنے سے زیادہ ضرر رساں فتنہ اور کوئی نہیں چھوڑا۔''(۳)

(۴) ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اپنی تفسیر میں ہمیشہ خیال رکھا کہ کوئی بات جمہور علماء کے خلاف نہ ہو۔ان کو اس چیز کا شدت سے احساس ہو گیا کہ تھا کہ جمہور کی رائے سے ہٹ کر رائے قائم کرنا اختلاف کا باعث بنتا ہے۔سورۂ آل عمران کی آیت ۱۷ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾﴾

اگر کوئی شخص قرآن کی تفسیر لغت کی مدد سے کرنا چاہے گا تو ''اَسحار'' کا ترجمہ کرے گا دل کی گہرائی۔ یعنی ''الْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ'' کا مطلب ہوا ''دل کی گہرائی سے استغفار کرنے والے''۔حالانکہ اس کا مناسب مطلب وہی ہے جو ڈاکٹر صاحب نے کیا ہے:

''اور اوقاتِ سحر میں مغفرت چاہنے والے۔''(۴)

ڈاکٹر صاحب کا طرۂ امتیاز یہ تھا کہ انہوں نے اَسلاف کے ساتھ اپنا رشتہ قائم رکھا اور انہیں اس پر فخر تھا۔

(۵) ''بیان القرآن'' کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں قرآنی آیات کی تشریح کے دوران ڈاکٹر صاحب نے علامہ اقبال (م:۱۹۳۸ء) کے اشعار جا بجا quote کیے ہیں اور یہ بات لوگوں کی دلچسپی کا باعث ہے۔ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۹ میں ارشاد ہے:

﴿اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾﴾

''یہ چوپایوں کی مانند ہیں' بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو غافل ہیں۔''

ڈاکٹر صاحب اس آیت کی تشریح میں کہتے ہیں:

''جب انسان ہدایت سے منہ موڑتا ہے اور ہٹ دھرمی پر اتر آتا ہے تو نتیجتاً اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے.....اب اُن کا دیکھنا حیوانوں جیسا دیکھنا رہ جاتا ہے اور اُن کا سننا حیوانوں جیسا سننا۔ جیسے کتا بھی دیکھ لیتا ہے کہ گاڑی آرہی ہے مجھے اس سے بچنا ہے۔ جبکہ انسانی دیکھنا تو یہ ہے کہ انسان کسی چیز کو دیکھے' اس کی حقیقت کو سمجھے اور پھر درست نتائج اخذ کرے۔ اسی فلسفے کو علامہ اقبال نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا!(۵)

(۶) چونکہ ''بیان القرآن'' میں عوام کے اندر قرآنی پیغام کو عام کرنے کی غرض پیش نظر ہے اس لیے اس کو عام فہم رکھنے کے لیے اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ چنانچہ زیادہ علمی بحثوں سے گریز کیا گیا ہے۔

(۷) مختلف مذاہب کی تاریخ بھی ''بیان القرآن'' میں ملتی ہے۔ سورۃ التوبہ کی آیت ۳۰ کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''متھرا ازم'' ایک قدیم مذہب تھا جس کا مرکز مصر تھا۔ اس مذہب میں پہلے سے یہ تثلیث موجود تھی:

"God the father, Horus the Son of God and Isis the Mother Goddess."

یعنی خدا' خدا کا بیٹا اور اس کی ماں آئسس دیوی۔ یہ پہلی تثلیث تھی جو مصر میں بنی۔ پھر جب سینٹ پال نے عیسائیت کی تبلیغ شروع کی اور اس کا دائرہ غیر اسرائیلیوں (gentiles) تک وسیع کر دیا تو اہل مصر کی نقالی میں تثلیث جیسے نظریات عیسائیت میں شامل کر لیے گئے تاکہ ان نئے لوگوں کو عیسائیت اختیار کرنے میں آسانی ہو۔ چنانچہ عیسائیت میں جو پہلی تثلیث شامل کی گئی وہ یہی تھی کہ ''خدا' خدا کا بیٹا یسوع اور مریم مقدس۔'' تو انہوں نے قدیم مذاہب کی نقالی میں یہ تثلیث ایجاد کی تھی۔''(۶)

(۸) کسی بھی سورت کی تفسیر بیان کرنے سے قبل ڈاکٹر صاحب اس سورت کا خلاصہ بیان کرتے ہیں اور اس سورت کا دیگر سورتوں کے ساتھ ربط و تعلق بھی واضح کرتے ہیں۔ اس ضمن میں مولانا حمید الدین فراہی (م: ۱۹۳۰ء) اور مولانا امین احسن اصلاحی (م: ۱۹۹۷ء) کے بیان کردہ نظم قرآن سے ڈاکٹر صاحب نے کافی استفادہ کیا ہے۔ سورۃ الانفال کی تشریح کے آغاز میں کہتے ہیں:

''سورۃ الانفال مدنی سورت ہے اور اس کا سورۃ التوبہ (مدنی) کے ساتھ جوڑا ہونے کا تعلق ہے۔ اس گروپ کی چاروں سورتوں میں معنوی ربط یوں ہے کہ پہلی دو مکی سورتوں (الانعام اور الاعراف) میں مشرکینِ عرب پر رسول اللہ ﷺ کی مسلسل دعوت کے ذریعے اتمامِ حجت ہوا اور بعد کی دو مدنی سورتوں (الانفال اور التوبہ) میں اس اتمامِ حجت کے جواب میں ان لوگوں پر عذاب کا تذکرہ ہے۔ موضوع کی اس مناسبت کی بنا پر یہ چاروں سورتیں دو دو کے دو جوڑوں کے ساتھ ایک گروپ بناتی ہیں۔''(۷)

سورۃ الحج کی آیت ۵ کی تشریح کے دوران ڈاکٹر صاحب نے اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے مولانا اصلاحی کے بیان کردہ نظام القرآن سے بہت استفادہ کیا ہے۔(۸)

مولانا امین احسن اصلاحی (م: ۱۹۹۷ء) کی تفسیر تدبّر قرآن میں بھی قرآن مجید کی مختلف سورتوں کو ایک دوسرے کا جوڑا قرار دیا گیا ہے' لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ نہ تو اللہ تعالیٰ نے نص قطعی کے ذریعے قرآن کی مختلف سورتوں کو جوڑا قرار دیا ہے اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی روشنی میں سورتوں کے جوڑوں کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ تاہم بعض احادیث میں اس ضمن میں لطیف اشارات ملتے ہیں۔

(۹) ''بیان القرآن'' میں کسی آیت کا ترجمہ یا تفسیر کرتے وقت اس آیت کے سیاق وسباق کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ الرحمٰن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝۶﴾

''نجم'' کا معنی ہے ستارہ اور ''شجر'' کا معنی ہے درخت۔ اب اس آیت کے یہ معنی بن سکتے ہیں ''ستارے اور درخت سجدہ کرتے ہیں'' اسی طرح ''النجم'' کے معنی ''ستارے'' کے علاوہ وہ پودے ہیں جن کی جڑیں نہیں ہوتیں۔ ڈاکٹر صاحب نے سیاق وسباق کو مدنظر رکھتے ہوئے یوں ترجمہ کیا ہے:

''جھاڑیاں اور درخت' سب اللہ کے سامنے سجدے میں ہوتے ہیں۔''(۹)

(۱۰) ''بیان القرآن'' میں مختلف مذاہب اور فرقوں پر تنقید بھی ملتی ہے۔ سورۃ التوبہ کی آیت ۳۱ میں جہاں احبار' رہبان اور مسیح ابن مریم کو رب بنانے کا ذکر ہے' ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں:

''آج بھی پوپ کو پورا اختیار حاصل ہے کہ وہ جو چاہے فیصلہ کرے۔ جیسا کہ اس نے ایک فرمان کے ذریعے سے یہودیوں کو دو ہزار سال پرانے اس الزام سے بری کر دیا کہ انہوں نے حضرت مسیحؑ کو سولی پر چڑھایا تھا۔ گویا اسے تاریخ تک کو بدل دینے کا اختیار ہے' اسی طرح وہ کسی حرام چیز کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے سکتا ہے۔''(۱۰)

اسماعیلی فرقے کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں:

''ان کا امامِ حاضر معصوم ہوتا ہے اور اسے اختیار حاصل ہے کہ وہ جس چیز کو چاہے حلال کر دے اور جس چیز کو چاہے حرام کر دے۔ اس طرح انہوں نے شریعت کو ساقط کر دیا ہے۔ تاہم یہ معاملہ بالخصوص گجرات (انڈیا) کے علاقے میں بسنے والے اسماعیلیوں کا ہے' جبکہ ہنزہ میں جو اسماعیلی آباد ہیں ان کے ہاں شریعت موجود ہے' کیونکہ یہ پرانے اسماعیلی ہیں جو باہر سے آ کر یہاں آباد ہوئے تھے۔''(۱۱)

بعض مقامات پر ڈاکٹر صاحب نے اہلِ تشیّع پر بھی تنقید کی ہے۔ جو بات حق ہے اور احادیث میں اس کا ذکر ہے' ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے تفسیر قرآن میں کسی کی پروا کیے بغیر اس کا ذکر کیا ہے اور اس طرح حق بات کہنے میں ان کو کئی بار بھاری قیمت بھی ادا کرنا پڑی۔

(۱۱) ڈاکٹر صاحب چونکہ انگریزی زبان پر بھی دسترس رکھتے تھے اس لیے بیان القرآن میں انگریز فلاسفہ کے اقوال اور انگریزی الفاظ کا استعمال اکثر مقامات پر نظر آتا ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۳ کی تشریح میں ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں:

''ہدایت قرآنی کا نقطۂ آغاز یہ ہے کہ انسان یہ سمجھ لے کہ جو اصل حقیقت ہے وہ اس کی نگاہوں سے مستور

ہے۔انگلستان کے بہت بڑے فلسفی بریڈلے (Bradley) کی کتاب کا عنوان ہے: "Appearance and Reality"۔اس نے لکھا ہے کہ جو کچھ نظر آ رہا ہے یہ حقیقت نہیں ہے' حقیقت اس کے پیچھے ہے۔کنفیوشس (۵۵۱تا۴۷۹ق م) چین کا بہت بڑا حکیم اور فلسفی تھا' اس کی تعلیمات میں اخلاقی رنگ بہت نمایاں ہے۔اس کا ایک جملہ ہے:

There is nothing more real than what can not be seen; and there is nothing more certain than what can not be heard.

یعنی وہ حقائق جو آنکھوں سے دیکھے نہیں جا سکتے اور کانوں سے سنے نہیں جا سکتے ان سے زیادہ یقینی اور واقعی حقائق کوئی اور نہیں ہیں۔''(۱۲)

(۱۲) اقامتِ دین کی جدّوجہد چونکہ ''بیان القرآن'' کے مفسر کا خاص میدان تھا اس لیے قرآن مجید میں جہاں جہاں اقامتِ دین کے حوالے سے آیات آئی ہیں' ڈاکٹر صاحب نے اپنا موقف تفصیل سے بیان کیا ہے اور لوگوں کو جدوجہد پر ابھارا ہے۔ جب ہم سورۃ الانفال' سورۃ التوبہ' سورۃ الصّف اور ان مضامین کی حامل دیگر سورتوں کی تشریح پڑھتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ بیان القرآن ایک انقلابی اور حرکی تفسیر ہے۔سورۃ التوبہ کی آیت ۱۶ کی تشریح کے ضمن میں یہ جملہ ملاحظہ ہو:

''یہ دنیوی رشتوں کے خوشنما بندھن جب تک ایمان کی تلوار سے کٹیں گے نہیں' اُس وقت تک اللہ اور دین کے ساتھ تمہارا اخلوص کیسے ثابت ہوگا!''(۱۳)

(۱۳) ڈاکٹر اسرار احمدؒ چونکہ سائنس کے طالب علم بھی رہے ہیں اس لیے ''بیان القرآن'' میں سائنسی مثالیں جا بجا ملتی ہیں۔سورۃ الانعام کی آیت ۱۱۳ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ﴾

''اور (ایسا اس لیے ہے) تاکہ مائل ہو جائیں اس کی طرف ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور تاکہ وہ اس کو پسند بھی کریں اور پھر وہ اپنے برے اعمال کا جو بھی انبار جمع کرنا چاہتے ہیں جمع کر لیں۔''

بیان القرآن میں اس آیت کی تشریح میں لکھا ہے:

''اس فلسفے کو ایک مثال سے سمجھئے۔پانی کا electrolysis کریں تو negative اور positive چارج والے آئنز (ions) الگ الگ ہو جاتے ہیں۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دنیا میں حق و باطل کی جو کشاکش رکھی ہے' اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کھرے اور کھوٹے کی ionization ہو جاتی ہے۔اہلِ حق نکھر کر ایک طرف ہو جاتے ہیں اور اہلِ باطل دوسری طرف۔اس طرح انسانی معاشرے میں اچھے اور برے کی تمیز ہو جاتی ہے۔''(۱۴)

جب اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے کے سامنے سائنسی مثالوں کے ذریعے قرآن مجید کی تشریح کی جاتی ہے تو وہ اس کا گہرا اثر قبول کرتا ہے۔ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اپنے سائنسی علم کو اس مقصد کے لیے خوب استعمال کیا۔

(۱۴) میڈیکل سائنس کی تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب نے تخلیق انسان کے مختلف مراحل پر بھی

کھل کر گفتگو کی ہے اور قرآن کے مطالب بیان کرنے میں اپنی میڈیکل کی اصطلاحات سے بھرپور فائدہ اُٹھایا ہے۔ سورۃ المومنون کی آیت ۱۴ کی تشریح کے دوران لفظ عَلَقَة کے روایتی بیان کردہ معنی ''جما ہوا خون'' سے انہوں نے اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں:

''ہماری معلومات مشاہدے کی بنیاد پر تھیں اور کوئی dissection یا مائیکروسکوپ وغیرہ نہیں تھی۔ اگر حمل گرتا ہے تو جمے ہوئے خون کے لوتھڑے نکلتے ہیں جس کی وجہ سے ''عَلَقَه'' کا ترجمہ جمے ہوئے خون کا لوتھڑا کیا جاتا' حالانکہ ع ل ق کا کیا تعلق ہے جمے ہوئے خون سے؟ اس سے لفظ معلق بنا ہے' متعلق بنا ہے' تعلق بنا ہے' علاقہ بنا ہے۔ اب معلوم ہوا ہے کہ نطفہ ماں کے رحم کی دیوار کے ساتھ embed ہو جاتا ہے' پھر وہ اس سے نکل کر دیوار کے ساتھ لٹک جاتا ہے۔ جیسے جونک کسی چیز کے ساتھ چمٹ جائے اور پھر وہ لٹک جائے۔ تو جونک کی طرح یہ نطفہ رحم مادر کی دیوار کے ساتھ لٹک جاتا ہے۔ اب یہ 'علقه' ہے۔'' (۱۵)

مندرجہ بالا انداز تفسیر ڈاکٹر صاحب کو مفسرین میں ایک ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔

نتیجہ بحث

''بیان القرآن'' کی مندرجہ بالا خصوصیات کو اگر مدنظر رکھا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ''بیان القرآن'' ایک ایسی تفسیر ہے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے کے لیے خصوصی کشش کا باعث ہے۔ چونکہ یہ ایک مختصر تفسیر ہے اس لیے اس کے ذریعے کم وقت میں پورے قرآن کے مطالب و معانی تک رسائی ممکن ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ''بیان القرآن'' میں مشکل اور پیچیدہ اصطلاحات کا استعمال کم سے کم کیا ہے جس کی بدولت ایک قاری اور سامع اس تفسیر سے بآسانی استفادہ کر سکتا ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اکیسویں صدی کے تفسیری لٹریچر میں ''بیان القرآن'' ایک قابل قدر اضافہ ہے۔

حوالہ جات

(۱) ڈاکٹر اسرار احمد' بیان القرآن' ۱/۱۲۲' انجمن خدام القرآن خیبر پختونخوا پشاور' اشاعت پنجم' مئی ۲۰۱۱ء

(۲) ایضاً' ۱۸/۳' اشاعت اول' جولائی ۲۰۱۱ء

(۳) ایضاً' ۱۷/۲' اشاعت دوم' اپریل ۲۰۱۱ء

(۴) ایضاً' ۱۹/۲

(۵) ایضاً' ۱۹۱/۳

(۶) ایضاً' ۲۷۷/۳

(۷) ایضاً' ۲۰۷/۳

(۸) ایضاً' سورۃ الحج' آیت ۵' آڈیو ریکارڈنگ' MP3 انجمن خدام القرآن کراچی' ۱۹۹۸ء

(۹) ایضاً' سورۃ الرحمٰن' آیت ۶' آڈیو ریکارڈنگ' MP3

(۱۰) ایضاً' ۲۷۷/۳

(۱۱) ایضاً' ۲۷۷/۳-۲۷۸

(۱۲) ایضاً' ۱/۱۲۳-۱۲۴

(۱۳) ایضاً' ۲۶۹/۳

(۱۴) ایضاً' ۷۰/۳

(۱۵) ایضاً' سورۃ المومنون' آیت ۱۴' آڈیو ریکارڈنگ' MP3

❁❁❁

اجتہاد اور اس کا تاریخی ارتقاء

محمد انس حسان

اجتہاد کے لغوی معنی کسی مقصد کو حاصل کرنے کی انتہائی کوشش کرنا' زحمت برداشت کرنا' مشقت اٹھانا ہیں۔ اصطلاحاً اجتہاد عبارت ہے اس کوشش سے جو کسی قضیے یا حکم شرعی کے بارے میں بحدِ امکان ذاتی رائے (ظن غالب) قائم کرنے کے لیے کی جائے۔ (۱)

اجتہاد کا مادہ ''جہد'' ہے جس کے معنی کوشش' محنت اور سعی کرنے کے ہیں۔ اجتہاد کسی قابل مشقت مکلّف کام کے انجام دینے میں مقدور بھر کوشش کرنے کو کہتے ہیں' اسی لیے اس مادہ کا استعمال پتھر اٹھانے میں ہوتا ہے' رائی اٹھانے میں نہیں۔ کسی مقصد کو پانے کے لیے استدلال کے پہلو سے اپنی تمام کوشش صرف کر دینا' ظن وگمان کے درجہ میں کسی شے کے حکم شرعی کو تلاش کرنے کے لیے اپنی تمام کوشش صرف کر دینا۔ اسی طرح اس بات پر گویا تمام فقہاء متفق ہیں کہ ''اجتہاد'' تب بنتا ہے جب مجتہدین خالی الذہن ہو کر کسی معاملے کے شرعی حکم کو دریافت کرنے کے لیے اپنی پوری کوشش اور ہمت صرف کریں اور تمام ممکنہ ذرائع معلومات سے استفادہ کر کے اس کے حکم پر پہنچنے کی کوشش کریں۔ (۲)

مولانا محمد تقی امینی رحمۃ اللہ علیہ اجتہاد کی تعریف ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

> ''اجتہاد کے لغوی معنٰی ہیں کسی بات کی تحقیق میں انتہائی جدوجہد کرنا۔ کلامِ عرب میں یہ لفظ ایسی جدوجہد میں استعمال ہوتا ہے جس میں محنت شاقہ برداشت کرنی پڑے۔ چنانچہ **اجتھد فی حمل الرحاء** (چکی کا پاٹ اٹھانے میں اس نے جِدّوجُہد کی) کہنا درست ہے اور **اجتھد فی حمل خردلة** (رائی کا دانہ اٹھانے میں اُس نے جدوجہد کی) کہنا صحیح نہیں ہے''۔ (۳)

شیخ محمد ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ''فقہ اسلامی میں اجتہاد یہ ہے کہ فقیہہ دلائل شرعیہ سے عملی احکام مستنبط کرنے کی کوشش کرے اور اس کوشش میں اپنی تمام قوت کو کھپا دے۔'' (۴)

ڈاکٹر صبحی صالح مرحوم نے اجتہاد کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

> ''اجتہاد کے لغوی معنی امکانی کوشش صرف کرنے کے ہیں اور اصطلاحِ شرع میں اس امکانی کوشش کے صرف کرنے کا نام ہے جو دلائل شرعیہ کے ذریعے استنباطِ احکام کے لیے کی جائے' بالفاظِ دیگر وہ کوشش جو مذکورۃ الصدر اصولِ اساسی کی وساطت سے احکامِ شرع کے استخراج کے لیے کی جائے۔'' (۵)

اجتہاد ایک بے لاگ اور انتھک کوشش کا نام ہے۔ گویا اس میں احکامِ ادلّہ سے استفادہ کرتے ہوئے اور

دینی مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس طرح احکامات کی تشریح وتوضیح کی جاتی ہے جو زمانہ سے مطابقت رکھتے ہوئے بھی دین کی روح کے خلاف نہ ہوں۔ چنانچہ پروفیسر ضیاء الدین لکھتے ہیں:

''اجتہاد کے لغوی معنی ہیں کوشش کرنا' لیکن فقہی اصطلاح میں اجتہاد اس کوشش کو کہتے ہیں جو کسی ایسے شرعی مسئلہ میں آزادانہ اور بے لاگ رائے قائم کرنے کے لیے کی جائے جس کی پوری صراحت قرآن حکیم یا حدیث میں موجود نہ ہو' لیکن جس کی اساس' روح' مذہب نیز معاشرہ کے تقاضوں پر مبنی ہو۔''(۶)

لفظ اجتہاد کے لغوی معنی تو کوشش کرنا ہیں مگر اصطلاحی معنی میں اسلامی معاشرے میں کسی نئی صورتحال یا کسی نئے مسئلے کے پیش آنے پر عمیق غور وفکر کے بعد قرآن وسنت اور صحابہ کرامؓ اور فقہائے عظام کی آراء کی روشنی میں اور اسلام کی روح کے مطابق آزادانہ رائے قائم کرنا یا قانون سازی کرنا اجتہاد کہلائے گا۔(۷)

اہلِ اصول کے ہاں اجتہاد سے مراد ہے کسی شرعی حکم کے استنباط میں فقیہہ کا اس حد تک محنت سے کام لینا کہ اس سلسلہ میں مزید محنت اس کے بس سے باہر ہو۔ یہاں پر یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ اجتہاد وہیں ہوتا ہے جہاں پر کسی شرعی حکم میں کوئی قطعی دلیل نہ ہو۔ مثلاً وجوبِ صلوٰۃ وزکوٰۃ کے بارے میں کوئی اجتہاد نہیں' کیونکہ دونوں کا ثبوت قطعی دلیل قرآن مجید سے ہو چکا ہے۔(۸)

اس پر مزید روشنی مولانا محمد تقی امینی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں ڈالی ہے:

''قوانین شرعیہ کی دریافت میں پوری محنت اور جدوجہد صرف کرنا۔ یہ دریافت تفصیل دلائل سے حاصل ہوتی ہے' ان دلائل کا مرجع کتاب وسنت' اجماع اور قیاس ہیں۔''(۹)

مولانا گوہر رحمٰن رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

''اجتہاد کسی مجتہد اور فقیہہ کی اس علمی تحقیق وکاوش اور پوری علمی قوت صرف کرنے کو کہتے ہیں جو غیر منصوص مسائل (نئے مسائل) کے احکام شرعیہ معلوم کرنے کے لیے کی جائے۔ معلوم ہوا کہ اجتہاد صرف نئے مسائل کو منصوص مسائل پر قیاس کرنے ہی کو نہیں کہا جاتا' بلکہ قرآن وسنت کی نصوص کو سمجھنے' ان کی تفسیر اور تشریح کرنے کو بھی اجتہاد کہا جا سکتا ہے۔''(۱۰)

پروفیسر محمد عثمان اجتہاد کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''اسلامی فکر کی اصطلاح میں اس (اجتہاد) کا مطلب اسلامی تعلیمات کی روح کے مطابق کوئی قانون وضع کرنا یا کسی نئی صورتحال میں آزادانہ فیصلہ (فتویٰ دینا) ہے' دوسرے لفظوں میں نئے حالات اور نئی ضروریات میں کتاب وسنت کی روح کے مطابق قانون سازی کرنا اور اجتماعی تنظیم کے لیے ضوابط مقرر کرنا اجتہاد ہے تاکہ زمانے اور ماحول کے اختلافات کے باوجود اسلام کے بنیادی تقاضے پورے ہوتے رہیں اور زندگی کے نظم وضبط اور ترقی وارتقاء میں بھی خلل واقع نہ ہو۔''(۱۱)

جہاد اور اجتہاد کا مادہ ایک ہے۔ اجتہاد اور جہاد ان معنوں میں بھی ربط وتعلق رکھتے ہیں کہ دونوں کا تعلق منشائے الٰہی کے مطابق حرکت حیات کے زیر اثر تبدیلیوں سے دوچار ہونا ہے۔ جہاد کا میدان مکان ہے اور اجتہاد کا تعلق زبان اور نفسِ انسانی سے ہے' اگرچہ زمان کے ساتھ مکان بھی اس میں شامل ہو جاتا ہے۔

اجتہاد ان معنوں میں تطابق وتوافق کا نام ہے کہ یہ زندگی کی تبدیلیوں کو اصول اسلام کے مطابق بنانے کی

کوشش ہے۔(۱۲)

ڈاکٹر محمود احمد غازی مرحوم نے اجتہاد کے معنی میں ''انتہائی کوشش'' کے مفہوم کی وضاحت بڑے دلکش انداز میں پیش کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''اجتہاد کے لفظی معنی ہیں انتہائی کاوش اور انتہائی کوشش۔ یہ انتہائی کا لفظ اس مفہوم میں شامل ہے۔ فقہاء نے اس کی تعریف کی ہے ''استفراغ الوسع''۔ استفراغ کے معنی ہیں ایگزاسٹ کرنا اور وسع کے معنی ہیں صلاحیت۔ انگریزی میں اجتہاد کے مفہوم کو بیان کرنا ہو تو یوں کہا جائے گا:

To exhast your capacity to discover Shariah ruling about a new situation in the light of the Quran and Sunnah.

قرآن وسنت کی روشنی میں کسی نئی صورتحال کا حکم معلوم کرنے کے لیے اپنی صلاحیت کو پورے طور پر استعمال کر ڈالنا، علم اور صلاحیتوں کو اس طرح نچوڑ دینا کہ اس سے آگے صلاحیت کے استعمال کرنے کی کوئی حد یا سکت باقی نہ رہے۔ اس عمل کا نام اجتہاد ہے۔''(۱۳)

اجتہاد کی تعریف سے مجتہد اور محل اجتہاد کی تعریف بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ مجتہد وہ ہے جو احکام شرعیہ کے جاننے کے لیے اپنی پوری قوت صرف کر دیتا ہے اور محل اجتہاد وہ مسائل ہیں جن کے بارے میں کوئی نص قطعی وارد نہیں۔(۱۴)

اجتہاد کا بنیادی مقصد انسانی سوچ اور حالات میں تبدیلی کے امکانات واثرات کو منظم کرنا ہے۔ چنانچہ اس کا اوّلین مقصد دین کا تحفظ ہے، جو اسی صورت میں ممکن ہے کہ تبدیل ہوتی دنیا کے نتیجے میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا شرعی حل دریافت کیا جائے۔ جو لوگ اسلامی احکام میں اپنی ذاتی خواہشات یا موجودہ مغرب نواز تمدن کی بنا پر تبدیلی کرنا چاہتے ہیں وہ اجتہاد کی ایک نئی تعریف کرتے ہیں۔ چنانچہ پاکستان میں عائلی کمیشن نے اپنی رپورٹ میں اجتہاد کی تعریف یوں پیش کی ہے:

''لفظ اجتہاد کے معنی کوشش کرنے کے ہیں اور اسلامی قانون کی اصطلاح میں اس کا مفہوم کسی قانونی مسئلہ پر آزادانہ رائے قائم کرنا ہے۔''(۱۵)

اگر یہ لوگ اجتہاد کی مروّجہ تعریف کی بجائے ایک نئے اجتہاد کی تعریف کرتے تو اور بات تھی، لیکن اسلام کے نام پر فقہ کے ایک اہم رکن کی غلط تعریف کرنا علمی دیانت کے زمرے میں نہیں آتا۔

اس کے برعکس اسلامی قانون کے ماہرین میں سے ایک مستند فقیہہ علامہ آمدی اجتہاد کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''لفظ اجتہاد مخصوص ہے اس انتہائی کوشش کے لیے جو کسی امر شرعی کے بارے میں یہ گمان حاصل کرنے کے لیے صرف کی جائے کہ یہ شرع کے موافق ہے۔''(۱۶)

اب اسلامی قانون کے ماہرین اور عائلی کمیشن کی تعریفات کا تقابلی جائزہ لیں اور فیصلہ کیجیے کہ کیا اجتہاد آزادانہ رائے قائم کرنے کا نام ہے یا شریعت کی موافقت کا نام ہے؟ یقیناً اجتہاد ایک مخصوص حد شرع میں رہتے ہوئے اپنی رائے کے اظہار کا نام ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہر ایک اپنی آزادانہ رائے کا اظہار کرے اور شریعت کو بالائے طاق رکھ دیا جائے۔

اجتہاد ایک عملِ پیہم اور جُہدِ مسلسل کا نام ہے جو ابتدائے اسلام سے لے کر قیامت تک جاری رہے گا۔ اس کی مثال سائنس جیسی ہے۔ جیسے سائنس میں مبادیات اور اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک نامعلوم چیز کو معلوم کیا جاتا ہے اسی طرح اجتہاد میں بھی قرآن' حدیث اور اجماع کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور ان مبادیات اور اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ شرعی مسئلہ دریافت کیا جاتا ہے جو نامعلوم ہے اسے اجتہاد کہتے ہیں۔ پھر جیسے سائنس میں کبھی کسی حتمی رائے کے بعد کوئی نئی دریافت ہوتی ہے جس سے پہلی تحقیق کا رد ہوتا ہو تو اس کو قبول کرلیا جاتا ہے اور پہلی تحقیق پر عمل چھوڑ دیا جاتا ہے اسی طرح اجتہاد میں بھی اگر کسی مجتہد نے کوئی رائے قائم کی اور اپنی کوئی تحقیق پیش کی اور بعد کی تحقیق نے اس کا غلط ہونا ثابت کر دیا تو پچھلی تحقیق پر عمل چھوڑ دیا جائے گا اور نئی صائب تحقیق جو کہ قرآن وسنت کے زیادہ قریب ہو اس پر عمل کیا جائے گا۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ سائنسی اندازِ فکر کے خالص مذہبی استعمال کو ''اجتہاد'' کہا جاتا ہے۔ جس طرح سائنس ترقی پذیر ہے اور اپنا ارتقائی سفر مکمل کر رہی ہے' اسی طرح اجتہاد بھی ایک ترقی پذیر عمل ہے جو بدلتے ہوئے تہذیب وتمدن اور انسان کے معاشرتی ارتقاء پر اپنا اثر چھوڑ رہا ہے اور تا ابد چھوڑتا رہے گا۔ تاریخی تجزیہ کے طور پر ہم یہ نتیجہ بھی اخذ کر سکتے ہیں کہ جدید دور کے سائنسی انداز ومنہج کا اصل منبع وسرچشمہ فکر اسلامی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام کے ابتدائی پانچ چھ سو سال میں اسلامی قوانین کے استنباط واستخراج کے لیے جو اصول ومنہج اختیار کیا جاتا رہا اُسی کا عکس اور پرتو ہمیں بعد کی صدیوں میں اُبھرنے والے سائنسی انداز اور منہج میں کارفرما نظر آتا ہے۔ اس بات کو ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اسلام جدید دور کا خالق ہے۔ اگر قرآنی سوچ اور قرآنی واسلامی فکر کا دنیا میں غلبہ اور پھیلاؤ نہ ہوتا تو دنیا آج بھی دورِ جاہلیت اور تاریکی کے اندھیروں میں رہ رہی ہوتی۔ خلاصہ کلام یہ کہ فقہ اسلامی کا اہم رکن اجتہاد اس چیز کا بہت بڑا ثبوت اور علامت ہے کہ اسلام سائنسی سوچ اور اپروچ کا خالق اور پروموٹر ہے۔

اسلام دینِ فطرت ہے۔ گویا اسلامی احکام کو انسانی فطرت کے قریب کرنے کے لیے اسلامی شریعت کے اصولوں میں لچک اور اعتدال کو ملحوظ رکھا گیا ہے تاکہ کسی پر بارِ گراں نہ گزرے اور دیگر مذاہب کی طرح مسلمان بھی اپنے مذہب سے برگشتہ نہ ہو جائیں۔ چونکہ تہذیب وتمدن اور معاشرہ ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا اور ان میں تبدیلیاں وقوع پذیر ہوتی رہتی ہیں' اس لیے انسان کو آسانی اور سہولت دینے کی غرض سے اجتہاد جیسے عمل کو فروغ دیا گیا ہے' تاکہ مسلمان اس سے استفادہ کرتے ہوئے مذہب اسلام میں وہ جمود پیدا نہ ہونے دیں جو اس سے ماقبل کے دیگر مذاہب کو دیمک کی طرح چاٹ گیا۔ چنانچہ مختلف حالات وواقعات میں مسلمان فقہ واجتہاد کے ذریعے اسلامی احکام پر عمل کرتے ہوئے وہ نئے راستے تلاش کرتے ہیں جن سے دین پر چلنا آسان ہو جائے۔ چونکہ اسلام انسانیت کا مذہب ہے اس بنا پر مسلمانوں کے علاوہ دیگر انسان بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ماضی میں جس طرح مسلمانوں نے اسلامی معاشرہ میں اسلام کے نفاذ کو ممکن بنایا اس کی آج اشد ضرورت ہے۔ ان حالات میں اجتہاد ہی اسلام کے نفاذ کا ممکن العمل طریقہ ہے جس میں غور وفکر کی ضرورت ہے۔

اجتہاد کی اسی اہمیت وافادیت پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر ظہور احمد اظہر لکھتے ہیں:

''اجتہاد وقت کی نہ صرف اہم ترین ضرورت ہے بلکہ اس کے بغیر مسلمان آج کے تہذیبی تصادم میں متعین

اقدار کا معیار سمجھنے سے قاصر ہیں۔ آج کے دور میں پیش آمدہ مسائل کی نشاندہی اور ان کا حل جدید علوم و فنون کے بغیر سمجھ میں نہیں آتا' اجتہاد کے ذریعے مشکل ترین مسائل کا حل آسانی سے مل جاتا ہے۔ اجتہاد نہ صرف یہ کہ ایک شدید ترین ضرورت ہے' بلکہ مسلمان قوم کی بیداری اور ترقی کا مفید ترین وسیلہ بھی ہے' اس کی اہمیت وافادیت اس کے لغوی معنی اور اصطلاحی مفہوم سے بھی عیاں ہے۔ اس کے معنی ومفہوم سے ہی ایک ولولہ تازہ کا پیغام اور جوش عمل کی دعوت مترشح ہوتی ہے۔ یہ بات صبر واستقامت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے اور عزم وہمت کے ساتھ جہد مسلسل کی بھی غماز ہے۔''(۱۷)

اجتہاد شریعتِ اسلامیہ میں بنیادی اصول ہونے کے باوجود معیار کے اعتبار سے مختلف ادوار میں اہمیت کا حامل رہا ہے۔ چنانچہ علماء سلف نے اجتہاد کے بنیادی تصورات پر غور وخوض کیا ہے۔ پروفیسر محمد عثمان کے مطابق:

''اسلامی قانون سازی کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگوں کے نزدیک اجتہاد کے تین درجے تھے' کامل آزادی کے ساتھ قانون سازی' محدود آزادی جو کسی مخصوص مذہب فقہ کی حدود کے اندر کام میں لائی جاسکتی ہے اور وہ مخصوص آزادی جو محض ان مسائل میں استعمال کی جاسکے جس کا فقہ کے بانیوں نے خود کوئی حل تجویز نہ کیا ہو۔''(۱۸)

اسلام دینِ فطرت ہونے کے باعث انسانی زندگی کے جملہ شعبوں میں اس کی رہنمائی ورہبری کرتا ہے۔ چونکہ زمانہ تغیّر پذیر ہے اور ہر آنے والا دن نئے مسائل اور نئی پیچیدگیاں لا رہا ہے' ایسے حالات میں مسلمانوں کے دینی ومذہبی راہنماؤں کے پاس دو ہی راستے ہیں۔ پہلا یہ کہ سوچ وفکر کی قوتوں کو جامد ومقید رکھتے ہوئے دنیا اور اس کے مسائل سے الگ تھلگ رہیں اور عوام الناس کو زمانے کی ٹھوکروں اور آسمانی ہدایت سے آزاد خودساختہ انسانی سوچوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جائے۔ اور دوسرا یہ کہ شریعت کی روح کو ملحوظ رکھتے ہوئے انسانی مسائل اور نئے پیش آنے والے معاملات کا قابل عمل حل تجویز کیا جائے۔

اجتہاد کا عمل جتنا زیادہ ضروری ہے اس سے کہیں زیادہ نازک بھی ہے۔ چونکہ اس بات کا خطرہ ہر وقت موجود ہے کہ اجتہاد کی عام اجازت سے کہیں ہر کس وناکس اس میدان میں اپنے افکار وخیالات کے گھوڑے نہ دوڑانے لگے' علماء نے اس کی کڑی شرائط متعین کیں۔ اب جو ان شرائط پر پورا اترے گا وہی اجتہاد کرنے کا اہل ہوگا۔ ذیل میں اجتہاد کی ان شرائط کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

(۱) یہ کہ وہ عربی زبان کا عالم ہو۔ چونکہ قرآن وسنت عربی زبان میں ہونے کے علاوہ فصیح بھی ہیں اس لیے ان کے اسلوب' حقیقت ومجاز' تشبیہ کا علم ضروری ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس سے ایک قدم اور آگے بڑھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ عربی کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے' تاکہ اس کے دین میں درستگی پیدا ہوسکے۔ اگر مجتہد کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ علوم عربیہ کا متبحر عالم ہو تو عامی کے لیے کم از کم اتنا تو لازم ہے کہ قرآن کی تلاوت کرسکے اور اجمالی طور پر اس کے مطالب سمجھ سکے۔

(۲) قرآن مجید کا اتنا علم رکھتا ہو کہ اس کے لیے اجتہاد کرنا ناممکن نہ ہو۔ اسے احکام کی تمام آیات کا علم ہونا چاہیے۔ ان کے اسبابِ نزول سے کما حقہٗ واقف ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرآن مجید کا تمام حفظ ہونا بھی ایک شرط ہے' لیکن عام علماء اسے بطور شرط بیان نہیں کرتے۔

(۳) سُنّت کا علم، طریق روایت، روایت کے درجے، راویوں کے مراتب، احادیثِ احکام اور جن مواقع پر وہ احادیث بیان کی گئی ہیں، ان تمام باتوں کا جاننا بھی مجتہد کے لیے ضروری ہے۔

(۴) ان احکام کا علم جن پر صحابہ کا اجماع ہو، فقہاء کے اقوال سے نہ صرف پوری طرح واقف ہو بلکہ ان میں اسے مہارت حاصل ہو اور ان کے درمیان موازنہ کرنے کی اس میں صلاحیت ہو۔

(۵) فقہی قیاس کے قوانین کا علم اور ان قواعد وضوابط کا علم جن پر چل کر صحابہ، تابعین، ائمہ مجتہدین نے قیاس کے ذریعہ استخراج احکام کا کام کیا۔

(۶) شریعتِ اسلامیہ کے عام مقاصد کی معرفت اور وہ مصالح جن کا اعتبار اسلام نے کیا ہے، نیز جن پر احکام کی بنیاد رکھی ہے۔ (۱۹)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اجتہاد کی شرائط کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

''اجتہاد کے لیے ناگزیر ہے کہ انسان کتاب وسنت کے (کم از کم) اتنے حصے کا علم رکھتا ہو جو احکام سے متعلق ہے، اجمالی مسائل سے واقف ہو۔ قیاس کی شرائط وحدود اور فکر ونظر کے طریقوں سے آگاہ ہو، عربی زبان کا ماہر ہو، ناسخ ومنسوخ پر اس کی نظر ہو اور راویوں کے حالات سے باخبر ہو۔'' (۲۰)

دورِ حاضر میں مجتہد کو چاہیے کہ وہ مختلف مسالک کے فروعی مسائل کو باہم قریب کرنے کی کوشش کرے اور جملہ مسالک میں حقائق تلاش کرے۔ چنانچہ اگر کسی نے ان مسالک میں کوئی شے نظر انداز کر دی ہے مگر زمانہ اس کا محتاج ہے تو وہ اسے پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کرے۔ اس طریقہ سے کیا گیا اجتہاد نہ صرف عظیم الشان ہوگا بلکہ اپنی وسعت اور تنوع کے باعث دیرپا اور قابل عمل بھی ہوگا۔

ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اجتہاد کن مواقع پر کیا جائے گا؟ کیا یہ کسی بھی وقت کیا جاسکتا ہے یا اس کی بھی کوئی شرائط ہیں؟ علمائے کرام نے اس سوال کا جواب بھی پیش کیا ہے:

(۱) اجتہاد ان احکام ومسائل میں ہو جن میں فقہاء پہلے غور وفکر کر چکے ہیں۔

(۲) ان احکام ومسائل میں ہو جو پہلے سے موجود نہ ہوں بلکہ حالات وتقاضے کے مطابق اب ان کی ضرورت پیش آرہی ہو۔

(۳) اجتہاد سابق فقہاء کی رائے کے موافق ہو۔

(۴) بنیاد میں اتفاق کے باوجود مختلف وجوہات کی بناء پر آراء مختلف ہوئی ہوں۔

(۵) اجتہاد شورائی طرز کا ہو کہ آپس میں ایک دوسرے کی اعانت ومدد سے کسی نتیجہ پر پہنچا گیا ہو۔

(۶) انفرادی اجتہاد ہو اور اس میں قلبی طمانیت حاصل ہوئی ہو۔

(۷) اجتہاد موقع ومحل کی تعیین کے لیے ہو۔

(۸) اجتہاد مختلف اقوال میں حالات کے لحاظ سے ترجیحی صورت پیدا کرنے کے لیے ہو۔

(۹) حکم شرعی کا اصل مقصد فوت ہو رہا ہو اور اس کو واپس لانے کی غرض سے حکم کا نیا قالب تیار کرنے کے لیے اجتہاد ہو۔

(۱۰) حالات کی تبدیلی کی بنا پر اصل حکم میں مشقت و دشواری پیش آ رہی ہو یا مضرت کا یقین ہو تو سہولت پیدا کرنے کے یا دفعیہ مضرت کے لیے اجتہاد ہو۔(۲۱)

اجتہاد ایک ناگزیر عمل ہے۔ایک زندہ اور تحرک پذیر معاشرہ جو اسلام کی راہنمائی میں زندگی کے نظام کو جاری رکھنا چاہتا ہے اس کے لیے اجتہاد کا دروازہ کبھی بھی بند نہیں کیا جا سکتا۔جیسا کہ اپنے نام ہی سے واضح ہے کہ اجتہاد کے معنی انتہائی کوشش کے ہیں' یعنی زندگی کے ہر ہر گوشے اور شعبے کو اسلام کی روشنی سے منور کرنے کی انتہائی کوشش ہی کا دوسرا نام اجتہاد ہے۔

واضح رہے کہ اجتہاد اسلام کے دعویٰ کے ساتھ اس کے احکام اور اس کے مقاصد سے فرار کا نام نہیں ہے۔ اجتہاد دین اور ایمان کے معاملہ میں معذرت خواہی اور احساسِ کمتری کا نام بھی نہیں ہے۔اجتہاد اسلام کو موم کی ناک بنانے کا نام بھی نہیں ہے کہ دنیا میں غالب ہونے والے کسی گمراہ فلسفے یا شیطانی فکر سے مرعوب ہو کر اسلامی احکام کی تعبیر و تشریح اس کے مطابق کرنے کی کوشش کی جائے۔اجتہاد مغربی فلسفوں اور تہذیب کے استیلاء اور غلبے سے متاثر ہو کر سرمایہ دارانہ اور کمیونزم کے فلسفوں سے اسلام کو آلودہ کرنے کا نام بھی نہیں ہے۔ بلکہ اجتہاد کی اصل روح اور اصل حقیقت میں یہ انتہائی کوشش اور جذبہ کارفرما ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی بھی گوشہ' انسانی زندگی کا کوئی بھی عمل ''اسلام اور ایمان'' کی روشنی اور رہنمائی سے محروم نہ رہے۔

بنیادی طور پر اجتہاد کو چار ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(۱) نبی کریم ﷺ کا اجتہادی دور (۲) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اجتہادی دور

(۳) تابعین عظام رحمہم اللہ کا اجتہادی دور (۴) ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کا اجتہادی دور

نبی کریم ﷺ کا اجتہادی دور

فقہی اجتہاد کا اغاز نبی کریم ﷺ کے عہد ہی سے ہو گیا تھا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دورانِ سفر بعض ایسے امور سے سابقہ پیش آتا جن سے متعلق شرعی نصوص کا انہیں علم نہ ہوتا تو وہ اجتہاد کر لیتے اور سفر سے واپسی کے بعد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اجتہاد پیش کرتے۔آپ ﷺ یا تو انہیں برقرار رکھتے یا پھر ان کی تصحیح فرما دیتے۔ایسا بھی ہوا کہ آپ ﷺ نے ان امور کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا جن کے بارے میں وحی خاموش تھی۔جیسا کہ آپ ﷺ نے غزوۂ بدر کے قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا تھا۔حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں نے اجتہاد فرمایا۔آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کو قبول فرما کر اسے نافذ کر دیا۔لیکن آپ ﷺ کو اس فیصلہ کے درست نہ ہونے کی اطلاع وحی کے ذریعہ کر دی گئی۔(۲۲) اسی طرح اذان کے معاملہ میں بھی باقاعدہ مشاورت کی گئی اور صحابہ کرامؓ کے اجتہادات کی روشنی میں نبی کریم ﷺ نے وہ طریقہ پسند فرمایا جو آج تک چلا آ رہا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی اجتہادی مشاورت بالکل عمومی نوعیت کی نہ ہوا کرتی تھی بلکہ چنیدہ لوگوں کو آپ ﷺ اس باب میں اجازت مرحمت فرماتے تھے۔اس حوالہ سے عبدالصمد صارم تحریر فرماتے ہیں:

''بعض مسائل و معاملات کے متعلق حضور ﷺ خود حکم دیتے تھے' بعض میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرماتے

تھے۔ جیسے اذان کے معاملہ میں یا اسیرانِ جنگ بدر کے معاملہ میں شوریٰ —— ہر صحابی کے لیے نہ تھی بلکہ ان حضرات سے مشورہ کیا جاتا تھا جن کا علم و عقل تجربہ وسیع تھا' حاضر باشی یا تقویٰ وطہارت پر ہی اس کا انحصار نہ تھا۔ جب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی اور اکثر اصحاب صحبت رسول کریم ﷺ سے اچھی طرح مستفید ہوئے تو حضور ﷺ نے بعض صحابہ کو اجتہاد و فتویٰ کا مجاز قرار دیا۔''(۲۳)

نبی کریم ﷺ کے اجتہادی دور میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے نہ صرف خود متعدد مواقع پر اجتہاد کیا بلکہ اس عمل کو مستحسن جانتے ہوئے اجتہاد کرنے والے اور اس عمل میں سہواً غلطی کرنے والے کو بھی اجر کا مستحق قرار دیا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اِذَا حَکَمَ الْحَاکِمُ فَاجْتَھَدَ ثُمَّ اَصَابَ فَلَہٗ اَجْرَانِ وَاِذَا حَکَمَ فَاجْتَھَدَ ثُمَّ اَخْطَاَ فَلَہٗ اَجْرٌ (۲۴)

''اگر کوئی قاضی اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ کرے اور وہ فیصلہ درست ہو تو اس کے لیے دو اجر ہیں (ایک صحیح ہونے کا دوسرا اجتہاد کا) اور اگر وہ اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ کرے اور اس میں غلطی کر جائے تو بھی اس کے لیے ایک اجر ہے۔''

صحیح فیصلہ پر دو اجروں کے ثواب کی بات تو سمجھ میں آتی ہے' لیکن غلطی کرنے پر بھی اجر کا ملنا سمجھ سے بالاتر ہے۔ استاد ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

''شریعت اسلامیہ میں مجتہد مخطی پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ ایسا کرنے سے ہو سکتا تھا کہ علماء اجتہاد کرنا ہی ترک کر دیں۔''(۲۵)

نبی کریم ﷺ نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خاص طور پر اجتہاد کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ چنانچہ مولانا محمد متین ہاشمیؒ لکھتے ہیں:

''یہ شواہد بھی موجود ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے بعض صحابہؓ کو عہد نبویؐ میں اجتہاد کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ ان میں جلیل القدر صحابی خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام سرفہرست ہے۔ بقول ڈاکٹر حمید اللہ رسولِ خدا نے اپنی زندگی میں ان کو مدینہ منورہ میں مفتی مقرر فرمایا تھا کہ جس کسی کو کسی مسئلہ کے متعلق قانونِ اسلام دریافت کرنا ہو عام طور سے انہی سے رجوع کریں' اور یہ وہ واحد شخص ہیں جو حضور اکرم ﷺ کی موجودگی میں فتویٰ دیتے تھے۔''(۲۶)

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو پوچھا:

((کَیْفَ تَقْضِیْ؟)) فَقَالَ : اَقْضِیْ بِمَا فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ' قَالَ: ((فَاِنْ لَمْ یَکُنْ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ تَعَالٰی؟)) قَالَ: فَبِسُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: ((فَاِنْ لَمْ یَکُنْ فِیْ سُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ؟)) قَالَ: اَجْتَھِدُ رَأْیِیْ ' قَالَ: ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ)) (۲۷)

''جب کوئی مقدمہ تمہارے سامنے پیش ہوگا تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ جواب دیا: جیسا کتاب اللہ میں ہے اس کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ پھر سوال کیا کہ اگر کتاب اللہ میں صراحت کے ساتھ ذکر نہ ہو تو پھر کیسے فیصلہ کرو گے؟ جواب دیا: پھر سنتِ رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ پھر سوال کیا کہ اگر سنت میں بھی صراحت کے ساتھ ذکر نہ ہو پھر کیسے فیصلہ کرو گے؟ جواب دیا: اگر ایسی حالت ہوئی تو میں اپنی رائے سے

اجتہاد کر کے فیصلہ کروں گا۔ (اس پر رسول اللہ ﷺ خوش ہوئے اور) فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے فرستادہ رسول کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی (جو اُس کے رسول کو پسند ہے)۔''

نبی کریم ﷺ کے عمل سے متعدد اجتہادی دلائل موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے اجتہاد سے کام لیا۔

(۱) بلّی کے جھوٹے کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ یہ حرام نہیں ہے۔ اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ لوگوں کے گھروں میں کثرت سے آتی جاتی ہے۔ (۲۸)

(۲) ابتدا میں قربانی کے گوشت کو ذخیرہ کرنے سے منع فرمایا' لیکن بعد میں اجتہاد کرتے ہوئے اس کی اجازت دے دی۔ (۲۹)

(۳) قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے نبی کریم ﷺ سے دریافت فرمایا کہ میرے والد نے اسلام قبول کر لیا ہے اور وہ بہت زیادہ بوڑھے ہیں (ارکانِ حج ادا نہیں کر پائیں گے) تو کیا میں ان کی طرف سے حج ادا کر سکتی ہوں؟ تو آپ ﷺ نے اجتہاد سے کام لیتے ہوئے اسے اس کی اجازت دی۔ (۳۰)

(۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روزہ کی حالت میں اپنی اہلیہ کا بوسہ لیا اور نبی کریم ﷺ سے اس بارے میں دریافت فرمایا کہ کیا میرا روزہ ٹوٹ گیا ہے؟ تو فرمایا: ''کیا پانی منہ میں لینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟'' (۳۱)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجتہادی دور

اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں اجتہاد بہت کم ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وحی الٰہی کا سلسلہ ابھی منقطع نہیں ہوا تھا۔ لیکن جتنا اجتہاد ہوا وہ اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی رغبت دلائی جائے اور انہیں پیش آمدہ مسائل سے نمٹنے کا عادی بنایا جائے' تاکہ وہ جدید مسائل میں شرعی نصوص سے استفادہ کرتے ہوئے امت کی بہتر طور پر رہنمائی کر سکیں۔

صحابہ کی پوری جماعت اہل فتویٰ نہ تھی اور نہ شرعی و دینی امور میں سب کو مراجعت حاصل تھی' بلکہ افتاء کا منصب صرف حفاظ کے لیے مخصوص تھا۔ اس گروہ کو قرآن کے ناسخ و منسوخ' محکم و متشابہ اور جملہ استدلالات وعلل پر گہری نظر حاصل تھی' کیونکہ اس نے براہِ راست چشمہ رسالت سے اکتسابِ فیض کیا تھا یا اجلّہ صحابہؓ سے قرآن کی روشنی اخذ کی تھی۔ اس گروہ کو قراء کے لقب سے پکارا جاتا تھا' یعنی قرآن پڑھنے اور سمجھنے والے۔ عرب چونکہ اَن پڑھ قوم تھی' پڑھے لکھے افراد انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے' اس لیے قرآن کو پڑھنے والے نادرالوجود ہونے کی وجہ سے ناخواندہ قوم میں قراء کہلاتے تھے۔ دَورِ اوّل تک تو اس گروہ کے لیے قراء کا لقب متداول تھا' البتہ جب اسلامی سلطنت کی حدود دُور دُور تک پھیل گئیں' کتاب وسنت کے چرچے نے عرب سے ناخواندگی اور جہالت کی تاریکی کافور کر دی' قریہ قریہ اجتہاد و استنباط کی روشنی ظہور میں آئی۔ جو لوگ مقدمات و نزاعات کے فیصلے کے لیے قاضی اور جج کی حیثیت سے مقرر کیے جاتے تھے وہ براہ راست قرآن وحدیث سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ (۳۲)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد کے متعلق مولانا محمد تقی امینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں جب فتوحات کی کثرت ہوئی اور مختلف تمدنی زندگی سے سابقہ پڑا تو نئے نئے اجتماعی وسیاسی مسائل ابھر آئے جن کو حل کیے بغیر معاشرہ کی رہنمائی کی کوئی شکل نہ تھی۔'' (۳۳)

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجتہاد سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اس استفادہ کے نتیجے میں پیش آمدہ مسائل کا حل تجویز کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح کو خط لکھا تھا کہ جو واقعہ تمہیں پیش آئے اور اس کا حکم قرآن وسنت میں نہ ہو تو اس پر خوب سوچو اور اس کو پوری طرح سمجھنے کی کوشش کرو' پھر ایک معاملہ کو دوسرے معاملہ پر قیاس کرو۔ معاملات کو مختلف نظریوں سے پہچانو' پھر جو تمہاری رائے میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسندیدہ ہو اور حق کے قریب ہو تو اس پر اعتبار کرو۔(۳۴) اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کو ایک خط میں لکھا تھا:

''جو فیصلہ تم نے آج کیا پھر تم نے اس فیصلے سے رجوع کرتے ہوئے اپنی صائب رائے سے صحیح فیصلہ کرلیا تو اپنے سابق فیصلے کو چھوڑ کر حق کی طرف رجوع کرنے میں دریغ نہ کرو۔ کیونکہ حق قائم ودائم رہتا ہے اور کوئی شے اسے حق ہونے سے نہیں روک سکتی۔ لہٰذا حق کی طرف رجوع کرنا زیادہ عرصہ باطل پر رہنے سے بہتر ہے۔''(۳۵)

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعینِ زکوٰۃ کی سرکوبی کے لیے فوج روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے' نے آپ کے اس عمل کی مخالفت کی۔ ان کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول تھا کہ جس نے ''کلمہ لا الٰہ الا اللہ'' پڑھ لیا اس کی جان اور اس کا مال محفوظ ہو گیا۔ مگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ جن کی نظر اس حکم کے ہر پہلو پر تھی انہوں نے اس دلیل کا جواب اسی دلیل سے یہ دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ یہ بھی تو فرما دیا تھا کہ ''اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ''(۳۶) چنانچہ انہوں نے مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف جہاد کیا اور ان کا یہ اجتہاد درست ثابت ہوا۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد اجتماعی زندگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غالباً سب سے اہم مسئلہ زمین کی تنظیم وتقسیم کا پیش آیا۔ چنانچہ عراق وشام فتح ہونے کے بعد زمین کی تنظیم وتقسیم کے بارے میں اختلاف ہوا۔ صحابہ کرامؓ کے ایک گروہ کی رائے یہ تھی کہ زمین مجاہدین میں تقسیم کر دی جائے۔ اس میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف وحضرت بلال رضی اللہ عنہما وغیرہ شامل تھے۔ جبکہ دوسرے گروہ کی رائے یہ تھی کہ زمین اصل باشندوں کے پاس رہنے دی جائے۔ اس میں حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت طلحہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم وغیرہ تھے۔(۳۷) اُس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت تھا۔ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے موقف پر قائل کیا اور اس پر اجتہاد کرتے ہوئے زمینوں کو ان کے اصل مالکوں کے پاس ہی رہنے دیا۔

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قحط کے زمانہ میں چوری کی سزا قطع ید ملتوی کر دی تھی۔(۳۸) آپؓ کا یہ عمل اجتہادی تھا۔

(۴) نماز تراویح کی بیس رکعات کا حکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجتہادی فیصلہ تھا۔(۳۹)

(۵) نمازِ جمعہ کی دوسری اذان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اجتہادی فیصلہ تھا۔

ایک طرف تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجتہاد سے استفادہ کرتے ہوئے بہت سے مسائل کا حل دریافت فرمایا تو دوسری طرف وہ اس عمل میں حد درجہ احتیاط برتتے تھے۔ نیز اپنے عمل کو حجت قرار نہیں دیتے تھے' بلکہ ان کے پیش کردہ اجتہاد سے عمدہ اجتہاد مل جانے پر اپنے اجتہاد کو چھوڑ دینے کا حکم تھا۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کلالہ کی وراثت کے متعلق پوچھا گیا تو مسئلہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

اَقُوْلُ فِيْهَا بِرَأْيِيْ ، فَاِنْ يَكُنْ صَوَابًا فَمِنَ اللّٰهِ وَاِنْ يَكُنْ خَطَأً فَمِنِّيْ وَمِنَ الشَّيْطَانِ[۴۰]

''میں اپنی رائے سے بات کہتا ہوں' اگر وہ صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔''

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے عورت کے طلاق لینے کے اختیار کے متعلق فرمایا:

أَجْتَهِدُ فِيْهَا بِرَأْيِيْ ، اِنْ اَصَبْتُ فَمِنَ اللّٰهِ وَاِنْ اَخْطَأْتُ فَمِنِّيْ وَمِنَ الشَّيْطَانِ[۴۱]

''میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں' اگر وہ درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔''

تابعین کا اجتہادی دور

تمدن کی وسعت' فتوحات کی کثرت اور علمی ترقی کی وجہ سے صحابہؓ کے مقابلے میں تابعین کو اجتہاد کی زیادہ ضرورت پیش آئی جس کی بنا پر انہوں نے اجتہاد کے دائرہ کو زیادہ وسیع کیا اور اس کے لیے انہوں نے درج ذیل تین بنیادی کام کیے:

(۱) حکومتی سطح پر رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو جمع کیا۔

(۲) صحابہ کرام ؓ کے اقوال وفتاویٰ اور ان کے اجتہادات کی شیرازہ بندی کی۔

(۳) اجتہاد کے ذوق کو علمی رنگ دیا۔[۴۲]

تابعین کے دور میں اجتہاد کے لیے تین قسم کے مسائل متعین ہوئے:

(۱) وہ نئے مسائل جو تمدن کی وسعت' فتوحات کی کثرت اور علمی ترقی کی وجہ سے پیدا ہوئے۔

(۲) وہ مسائل جن پر پہلے اجتہاد ہو چکا ہے اور اب حالات وظروف کی تبدیلی سے ان کا مقصد فوت ہو رہا ہو یا ان پر عمل درآمد سے لوگوں کو غیر معمولی مشقت پیش آ رہی ہو۔

(۳) وہ مسائل جن کا ذکر نص میں موجود ہے لیکن زمانی مصلحت کی وجہ سے صحابہؓ نے ان کے نفاذ کا موقع ومحل متعین کیا تھا۔[۴۳]

یہ دور بنواُمیہ کا دور بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس دور میں مسلمانوں کے دیگر علوم وفنون کی بھی داغ بیل ڈلی اور اسی دور میں اجتہاد کا دائرہ صحابہ کرام ؓ کے دور کی بنسبت زیادہ وسیع بھی ہوا۔ اس حوالہ سے ڈاکٹر جمال الدین لکھتے ہیں:

''جب ہم تابعین کے دور کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ محسوس کرتے ہیں کہ تابعین کے دور میں اجتہاد واستنباط کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے۔ ایک تو اس لیے کہ نئے نئے واقعات کی کثرت ہو گئی' دوسرے اس لیے بھی کہ تابعین کی ایک جماعت فتویٰ کے لیے گویا وقف ہو گئی تھی۔ ان حضرات کے سامنے تین مصادر تھے۔ کتاب اللہ' سنت رسول ﷺ اور صحابہؓ کے فتاویٰ۔ ان میں سے بعض وہ حضرات تھے جو نص نہ موجود ہونے کی صورت میں مصلحت شرعی کو بنیاد بنا کر حکم شرعی کا استنباط کرتے تھے اور بعض دیگر حضرات قیاس کی راہ اپناتے تھے۔''[۴۴]

نبی کریم ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ اجتہاد کے حوالہ سے حد درجہ احتیاط کرتے تھے۔ نیز اس دور میں اسلامی سلطنت کی وسعت ابھی اتنی دور تک نہ پھیلی تھی۔ لیکن تابعین کے دور میں اس وسعت میں نہ صرف اضافہ

ہوا بلکہ استحکام بھی نصیب ہوا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کو نئے نئے مسائل سے نبرد آزما ہونا پڑا اور اپنی رائے سے اجتہاد کرنا پڑا اور یہ اجتہاد صحابہ کرامؓ کے دور سے نسبتاً زیادہ مقدار میں ہوا۔

اس دور کا سب سے اہم کارنامہ احادیث نبویہ ﷺ کا باقاعدہ مدوّن ہونا تھا۔ بقول مولانا محمد تقی امینی تابعین میں حکومتی سطح پر احادیث جمع کرنے کی طرف سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے توجہ دی اور مدینہ و دیگر اطراف کے حکام و کبار علماء کو اس سلسلے میں خطوط لکھے اور نہایت محنت و جانفشانی کے ساتھ یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔(۴۵) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے اس کام سے اس دور کے فقہاء کو احادیث مبارکہ کا چھان پھٹک کیا ہوا ایسا عظیم الشان ذخیرہ میسّر آ گیا جس سے اجتہاد کے مراحل نسبتاً آسان ہو گئے۔

ائمہ مجتہدین کا اجتہادی دور

اجتہاد کا زریں دور اگر کہا جا سکتا ہے تو اس دور کو کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس دور میں اجتہاد سے بہت زیادہ کام لیا گیا اور فقہاء نے اس کے اصول مدون کیے۔ اس دور میں چونکہ بہت سی نئی قومیں حلقہ بگوش اسلام ہوئیں اس لیے ان کی عادات، خصائل اور رسوم و رواج کی وجہ سے کئی پیچیدگیاں پیدا ہوئیں۔ اس حوالہ سے مولانا محمد تقی امینیؒ لکھتے ہیں:

> ''ان لوگوں کے اختلاط سے اسلامی معاشرہ میں ایک عجیب کش مکش پیدا ہوئی اور ان کے ساتھ معاملات نے بہت سے نئے مسائل پیدا کیے۔ نیز حالات کی تبدیلی سے بعض قدیم مسائل کے موقع و محل متعیّن کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ ائمہ مجتہدین کو اللہ کروٹ کروٹ چین نصیب کرے کہ انہوں نے نہ صرف وقتی اور زمانی حالات کا مقابلہ کیا بلکہ اجتہاد کے ایسے زریں اصول وضع کیے کہ ان کے ذریعہ ہر دور و زمانہ میں نمو پذیر زندگی اور ترقی پذیر معاشرہ کی رہنمائی آسان ہو گئی۔''(۴۶)

دوسری صدی ہجری میں اسلامی فقہ کے چار عظیم مکاتب فکر اُبھرے۔ ان مکاتبِ فکر کے ائمہ نے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے اکثر معاملات میں اجتہاد کے ذریعے بہت سے اصول وضع کیے۔ اگرچہ ان فقہی مکاتب کے رہنما اسلامی شرع کی تاریخ میں اختلافِ رائے کا سبب رہے، تاہم ان کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہونے سے اسلامی فکر کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔(۴۷)

چونکہ اسلامی فقہ انسانی زندگی کے جملہ پہلوؤں سے بحث کرتی ہے، اس لیے اس کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ چنانچہ مسائل جدیدہ کے حل کے لیے مجتہدین نے قیاس، استحسان، استصلاح اور استدلال کے طریقے اپنائے جو اجتہاد ہی کی اقسام ہیں۔ چنانچہ اس دور میں مجتہد کا درجہ صرف اسی شخص کو حاصل ہوتا تھا جو ان جملہ علوم کا ماہر ہو اور ان سے استفادہ کرتے ہوئے آزادانہ طور پر کسی فیصلہ پر پہنچنے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہو۔ اگرچہ اس دور میں بہت سے ائمہ نے اجتہاد کیا مگر ان میں سے چار ائمہ کو زیادہ شہرت نصیب ہوئی:

☆ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ☆ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ☆ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ☆ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

ان فقہاء کی فقہیں نہ صرف قائم رہیں بلکہ انہیں دوام حاصل ہوا اور امت کے کثیر طبقہ نے ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے اجتہادات کو تسلیم کیا۔ ایک طرف تو ان ائمہ نے امت پر احسان کرتے ہوئے لاکھوں مسائل مدوّن کر دیے تو دوسری طرف وہ اس حوالہ سے انتہائی حزم و احتیاط سے کام لیتے رہے۔ اس حوالہ سے

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جب کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی مسئلہ مجھے نہیں ملتا تو جس صحابی کا قول چاہتا ہوں لے لیتا ہوں، جس کا چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں۔ پھر ان کے دائرۂ اقوال سے نکل کر کسی دوسرے قول کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ معاملہ ابراہیم شعبی، حسن، ابن سیرین اور سعید بن مسیّب پر پہنچتا ہے تو مجھے بھی حق ہے کہ جیسے وہ اجتہاد کرتے تھے میں بھی کروں۔''(۴۸)

اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق منقول ہے کہ ان سے جب کوئی فتویٰ پوچھا جاتا تو وہ اس کا جواب اس طرح ڈرتے ہوئے دیتے تھے گویا وہ جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑے ہوں۔ (۴۹) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن وحدیث کے بعد اجتہاد کو اہمیت دی، اس کے برعکس امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا زیادہ زور اہل مدینہ کی رائے کی طرف رہا، جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں کی درمیانی راہ اپنائی۔

جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میدان میں قدم رکھا تو انہوں نے دیکھا کہ صحابہ کرامؓ وتابعین عظام اور ائمہ مجتہدین سے منقول ایک بڑا فقہی ذخیرہ موجود ہے۔ آپ نے بھی اپنے پختہ فہم کے ساتھ علم کے اس سمندر میں غوطہ لگایا۔ ایک طرف تو آپ نے مدینہ کے فقہی علوم امام مالکؒ سے حاصل کیے، دوسری جانب امام محمدؒ سے عراق کے فقہی ذخیرہ کو اخذ کیا اور تیسری طرف مکہ مکرمہ میں نشوونما اور سکونت کی بنا پر آپ وہاں کے فقہی علوم کے حامل تھے۔ اس طرح تینوں فقہی سکولوں سے کسبِ فیض کے ساتھ ان فقہی مناقشات نے ان کے ذہن کو اس طرف متوجہ کیا کہ کچھ قواعد وضع کریں جس سے اجتہاد میں خطا وصواب کا پتا چل سکے۔ یہی قواعد آج اصول فقہ کے نام سے معروف ہیں۔ (۵۰)

لیکن اس کے ساتھ ساتھ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اجتہادی بصیرت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسانی فطرت سے قریب تر ہے اور مختلف حالات وواقعات کے تناظر میں پیش آنے والے مسائل کو ان کی فقہی بصیرت نے انتہائی سہل انداز میں پیش کیا ہے۔ اس حوالہ سے مفتی عبدالقیوم کی یہ رائے بھی محلِ نظر ہے کہ:

''امام ابوحنیفہ کے اصول وقواعد کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے ان کی وضع میں وسعت اور جامعیت کو پیش نظر رکھا، تاکہ ایک مسلمان جس حیثیت میں بھی ہو، جس ضرورت میں مبتلا ہو اور زندگی کے کسی بھی پہلو میں اس کو رہنمائی کی ضرورت ہو اس کو حنفی اصول کی روشنی میں یہ رہنمائی حاصل ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے اصولِ فقہ کا مفہوم دوسرے ائمہ کرام کے پیش کردہ مفاہیم کی نسبت زیادہ وسیع پیش فرمایا۔''(۵۱)

شاید یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کو جو شہرت نصیب ہوئی وہ دیگر کسی فقہ کو حاصل نہ ہوئی۔ ایک طرف تو امام ابوحنیفہؒ نے اجتہاد کے ذریعہ فقہ اسلامی کے مسائل کو حل کرنے کی سعی کی تو دوسری طرف وہ اپنے ناقدین کی تنقید سے بھی نہ بچ سکے جو اس حکم کے نفاذ کو غیر ضروری قرار دیتے تھے۔

بہرحال تابعین کے عہد کے بعد جب ہم مجتہدین کے عہد کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ یہ مناہج تابعین کے عہد کے مقابلہ میں زیادہ واضح ہیں، مشکل میں ایک دوسرے سے ممتاز ہو جاتے ہیں اور مناہج استنباط کے متمیز ہونے کے ساتھ استنباط کے قوانین اور اس کی علامتیں نہایت اجاگر ہو جاتی ہیں اور ائمہ مجتہدین کی زبانوں پر صریح، واضح اور فنی عبارتوں میں یہ مناہج اور قوانین واشگاف ہوتے ہیں۔ (۵۲)

اگرچہ ائمہ مجتہدین کے اجتہاد نے باہمی اختلافات کی فضا قائم کی لیکن یہ ایک فطری عمل ہے کہ جب کوئی نئی

چیز دریافت کی جاتی ہے تو اس میں باہمی اختلافات کوئی انوکھی چیز نہیں سمجھی جاتی۔

اجتہاد میں رائے کے اختلاف کی اہمیت مسلم ہے اور اس سے قوتِ استدلال کے ذریعہ مسائل پر غور وخوض کرنے میں مدد ملتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں بھی بعض اجتہادی مسائل میں اختلاف ہوا ہے۔

چنانچہ جو شخص فقہ سے دلچسپی رکھتا ہو اسے چاہیے کہ کسی ایک ہی امام کے مذہب پر اکتفانہ کرے' بلکہ ہر مجتہد کے اقوال پر نظر ڈالے' تمام کے اندر ڈوب کر حق کا سراغ لگائے اور اس غواصی میں اسے جو قرآن وسنت سے زیادہ قریب ملے اس کو اختیار کرے۔ (۵۳) چنانچہ فقہ خواہ کسی بھی امام کی ہو وہ ہماری فقہ ہے اور ان سب کی بنیاد کتاب وسنت اور اجتہاد کے صحیح اصولوں پر قائم ہے اور یہ ہمارا مشترکہ سرمایہ ہے۔ اس حوالہ سے مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں:

''ان میں سے کسی کے خلاف یا کسی کے حق میں بے جا تعصب میں ہمیں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔'' (۵۴)

ائمہ مجتہدین کا یہ اختلاف کبھی اصول پر نہیں ہوا بلکہ ہمیشہ فروع میں ہوا۔ اس اختلاف کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ آج ہمارے پاس فقہ اسلامی کا جس قدر ذخیرہ موجود ہے وہ شاید اس کے بغیر ممکن نہ ہوتا۔ ڈاکٹر رشید احمد جالندھری لکھتے ہیں:

''یہ اسی اجتہاد رائے ہی کا کرشمہ تھا کہ آج ہمارے ہاتھوں میں فقہ اسلامی کا قابل قدر ذخیرہ موجود ہے۔'' (۵۵)

اس اختلاف سے اگرچہ یار لوگوں کو بہت سی باتیں بنانے کا موقع ملا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے ہمارے ائمہ کی وسعت قلبی کا پتا چلتا ہے کہ وہ خود کو خطا سے بری نہیں سمجھتے اور اپنے شاگردوں کے اختلاف کا بھی احترام کرتے نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے لکھا ہے کہ:

''غور وفکر سے قانون سازی کا کام تاریخ انسانی میں یا رومۃ الکبریٰ کے فقہاء نے کیا ہے اور یا پھر مسلمان فقہاء نے' لیکن دقت نظر اور وسعت فکر کے باوجود کسی امام مجتہد نے اپنے نظام فقہ کو بری عن الخطا نہیں سمجھا اور خود ان کے اکابر شاگردان سے اختلاف کرنے میں دریغ نہ کرتے تھے۔'' (۵۶)

اس کے بعد آہستہ آہستہ اجتہادِ مطلق ختم ہوتا چلا گیا اور اس کی جگہ اجتہاد مقید نے لے لی۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اجتہادی قابلیتوں میں اضمحلال رونما ہوتا گیا اور ان مذاہب کے اپنے اپنے محدود دائرہ کے اندر جاری رہنے والا اجتہادِ مقید بھی کمزور پڑتا گیا (۵۷) اور فقہ اسلامی میں اجتہاد کی جگہ مطلقاً تقلید اور جمود نے لے لی۔ اسلامی نظام اور اسلامی علوم کے زوال وانحطاط کے سبب سے ایسے لوگوں کا پیدا ہونا کم ہو گیا جو اجتہاد کی اہلیت رکھنے والے ہوں۔ (۵۸) بہرحال اس مضمون کو میں ڈاکٹر مصطفیٰ احمد زرقاؒ کے اس تجزیہ پر ختم کرتا ہوں جو انہوں نے اجتہاد کے حوالہ سے بیان فرمایا ہے:

''فقہ اسلام کی تاسیس کے ابتدائی دور میں متقدمین مجتہدین کی بے لوث اور ان تھک مساعی کی وجہ سے انفرادی اجتہاد قوم کے حق میں بڑا سودمند ثابت ہوا اور موجب خیر وبرکت ثابت ہوا۔ اس سے شریعت کے باغ کو سرسبز وزرخیز بنانے اور اس سے خاطر خواہ ثمرات حاصل کرنے کے لیے عزائم میں قوت اور

ارادوں میں پختگی پیدا ہوئی۔ اساطین علم آگے آئے۔ استنباط مسائل کے قواعد و ضوابط مرتب کیے.....اگر پہلی تین صدیوں میں یہ انفرادی اجتہاد کارفرما نہ ہوتا تو یقیناً آج ہمارے لیے یہ عظیم الشان فقہی ثمرات حاصل کرنے ممکن نہ ہوتے۔''(۵۹)

حوالہ جات

(۱) محمد جاوید' ڈاکٹر' افکار اقبال' ص ۱۹۔

(۲) متین ہاشمی' ڈاکٹر' سہ ماہی منہاج (نفاذ شریعت نمبر) ص ۸۷۔

(۳) امینی' محمد تقی' اجتہاد' ص ۲۱۔

(۴) محمد ابوزہرہ' اسلامی قانون اور اجتہاد' چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر)' ج ۲' ص ۱۵۰۔

(۵) صبحی صالح' فلسفہ شریعت اسلام' ص ۲۱۳۔ (۶) ضیاء الدین احمد' دانائے راز' ص ۱۳۵۔

(۷) نیاز عرفان' اقبال اور پارلیمانی اجتہاد' ص ۱۴۵۔

(۸) جعفری' حسین محمد' اقبال اور فکر اسلامی کی تشکیل جدید' ص ۱۲۸۔

(۹) امینی' محمد تقی' اسلام اور جدید دور کے مسائل' ص ۱۸۔

(۱۰) گوہر رحمٰن' اجتہاد اور اوصاف مجتہد' ص ۲۰۔ (۱۱) محمد عثمان' ڈاکٹر' فکر اسلامی کی تشکیل نو' ص ۱۴۵۔

(۱۲) عبداللہ' ڈاکٹر' سید' مطالعہ اقبال کے چند نئے رخ' ص ۱۹۰۔

(۱۳) غازی' محمود احمد' ڈاکٹر' محاضرات فقہ' ص ۳۳۲۔۳۳۱۔

(۱۴) قاسمی' مجاہد الاسلام' اسلامی عدالت' ص ۸۰۔

(۱۵) ندوی' مجیب اللہ' اجتہاد اور تبدیلی احکام' چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر)' ج ۲' ص ۱۵۹۔

(۱۶) ایضاً۔

(۱۷) ظہور احمد اظہر' ڈاکٹر' سہ ماہی منہاج (اجتہاد نمبر)' ص ۱۴۵۔

(۱۸) محمد عثمان' ڈاکٹر' فکر اسلامی کی تشکیل نو' ص ۱۵۵۔

(۱۹) محمد ابوزہرہ' اسلامی قانون اور اجتہاد' چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر)' ج ۲' ص ۱۵۵۔

(۲۰) دہلوی' شاہ ولی اللہ' امام' مسئلہ اجتہاد' چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر)' ج ۲' ص ۱۲۳۔۱۲۲۔

(۲۱) ایضاً' ص ۲۴۳۔۲۴۲۔

(۲۲) محمد ابوزہرہ' اسلامی قانون اور اجتہاد' چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر)' ج ۲' ص ۱۵۰۔

(۲۳) صارم' عبدالصمد' تاریخ الفقہ' ص ۲۰۔

(۲۴) البخاری' محمد بن اسماعیل' الجامع الصحیح البخاری' کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ' ح: ۶۸۰۵۔ وصحیح مسلم' کتاب الاقضیۃ' ح: ۳۲۴۰۔

(۲۵) محمد ابوزہرہ' اسلامی قانون اور اجتہاد' چراغ راہ' (اسلامی قانون نمبر)' ج ۲' ص ۱۵۱۔۱۵۰۔

(۲۶) متین ہاشمی' سہ ماہی منہاج (اجتہاد نمبر ۱۹۸۳ء)' ص ۱۲۶۔

(۲۷) الترمذی' محمد بن عیسیٰ' السنن لترمذی' ج ۳' ص ۶۱۶۔

(۲۸) ابن ماجہ، محمد بن یزید، السنن ابن ماجہ، ص ۳۰۔
(۲۹) البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح البخاری، ج ۵، ص ۲۱۱۶۔
(۳۰) محمد فواد عبدالباقی، اللؤلؤ والمرجان، ج ۱، ص ۴۴۶۔
(۳۱) احمد بن حنبل، امام، مسند الامام احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۲۸۶۔
(۳۲) الحامدی، خلیل احمد، اسلامی نظام مشاہیر اسلام کی نظر میں، ص ۲۲۶۔
(۳۳) امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص ۴۳۔
(۳۴) الجوزیہ، محمد بن ابی بکر، اعلام الموقعین، ج ۱، ص ۶۳۔
(۳۵) محمود الحسن عارف، ڈاکٹر، سہ ماہی منہاج (نفاذ شریعت نمبر ۱۹۸۵ء)، ص ۹۷۔
(۳۶) ندوی، مجیب اللہ، اجتہاد اور تبدیلی احکام، چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر)، ج ۲، ص ۱۷۹۔
(۳۷) امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص ۴۷۔
(۳۸) ندوی، مجیب اللہ، اجتہاد اور تبدیلی احکام، چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر)، ج ۲، ص ۱۸۲۔
(۳۹) ایضاً، ص ۲۱۷۔
(۴۰) الدارمی، عبداللہ بن عبدالرحمٰن، السنن دارمی، ج ۲، ص ۴۶۲۔
(۴۱) ملاجیون، احمد بن سعید، نورالانوار، ص ۲۵۰۔ (۴۲) امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص ۶۰۔
(۴۳) ایضاً، ص ۶۸۔۶۷۔
(۴۴) جمال الدین عطیہ، ڈاکٹر، فقہ اسلامی کی نظریہ سازی، ص ۱۶۔
(۴۵) امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص ۶۱۔ (۴۶) ایضاً، ص ۶۸۔
(۴۷) محمد اشرف، مسلم امہ اور اقبال، ص ۱۶۲۔ (۴۸) حسن اختر، اقبال اور مسلم مفکرین، ص ۱۱۔
(۴۹) اصلاحی، امین احسن، اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل، ص ۲۵۔
(۵۰) جمال الدین عطیہ، ڈاکٹر، فقہ اسلامی کی نظریہ سازی، ص ۱۸۔
(۵۱) عبدالقیوم، سہ ماہی منہاج (اجتہاد نمبر ۱۹۸۳ء)، ص ۱۷۔
(۵۲) جمال الدین عطیہ، ڈاکٹر، فقہ اسلامی کی نظریہ سازی، ص ۱۷۔
(۵۳) اصلاحی، صدرالدین، اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ، ص ۵۳۔
(۵۴) اصلاحی، امین احسن، اسلامی قانون کی تدوین، ص ۸۰۔
(۵۵) جالندھری، رشید احمد، المعارف (اپریل تا جون ۱۹۹۹ء)، ص ۵۴۔
(۵۶) عبدالحکیم، خلیفہ، ڈاکٹر، فکر اقبال، ص ۸۴۷۔
(۵۷) زرقا، مصطفیٰ احمد، ڈاکٹر، اجتہاد اور تجدید قانون اسلامی، چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر)، ج ۲، ص ۱۴۵۔
(۵۸) اصلاحی، امین احسن، اسلامی قانون کی تدوین، ص ۵۶۔
(۵۹) زرقا، مصطفیٰ احمد زرقا، ڈاکٹر، اجتہاد اور تجدید قانون اسلامی، چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر) ج ۲، ص ۱۴۷۔

پیپر کرنسی.....شرعی حیثیت اور متعلّقہ احکام

حافظ نذیر احمد ہاشمی

کرنسی نوٹوں کی تاریخ اور ان کے تدریجی مراحل کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ابتدائی مراحل میں کاغذی نوٹ کی حیثیت بلاشک وشبہ سند اور وثیقہ کی تھی لیکن عرصہ دراز سے یہ کاغذی نوٹ مستقل ثمن کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ عصرِ حاضر میں پوری دنیا میں باہمی لین دین انہی کاغذی نوٹوں کے ذریعہ انجام پاتے ہیں اور یہی نوٹ سو فیصد اشیاء کے درمیان ذریعہ تبادلہ ہیں۔ سونے چاندی کے سکّوں کو بے دخل کر کے کاغذی نوٹوں نے ان کی جگہ لے لی ہے۔ کاغذی نوٹوں کے آغاز کے بعد عرصہ دراز تک نوٹ جاری کرنے والے بینک اس کے پابند تھے کہ حامل نوٹ کے مطالبہ کرنے پر سونے یا چاندی کا سکہ اسے ادا کر دیں۔ اسی دور کی یادگار نوٹ پر لکھی ہوئی وہ عبارت ہے جس سے نوٹ کے سند اور وثیقہ ہونے کا شبہ ہوتا ہے' لیکن نصف صدی سے زیادہ ہوا جب سے یہ سلسلہ موقوف ہے۔ اب نہ تو نوٹ چھاپنے والے بینک اور حکومتیں اس کی پابند ہیں کہ نوٹ کے بدلے میں سونا یا چاندی حوالے کریں نہ اس بات کی پابند ہیں کہ جتنے نوٹ چھاپیں اس کے بقدر سونا یا چاندی اپنے خزانہ میں محفوظ رکھیں۔ ۱۹۷۱ء تک حکومتیں اس بات کی پابند تھیں کہ ایک ملک دوسرے ملک کو ادائیگی کاغذی نوٹوں کی بجائے سونے کی شکل میں کریں' لیکن اب بین الممالک سطح پر بھی سونے کے ذریعے ادائیگی موقوف ہوگئی اور کاغذی نوٹوں کا رشتہ سونے چاندی سے مکمل طور پر ختم ہوگیا' لہٰذا عصر حاضر میں کاغذی نوٹوں کا ثمن (ذریعہ تبادلہ) بن جانا ایک بدیہی حقیقت بن چکا ہے۔ ان نوٹوں کی ذاتی حیثیت کاغذ کے پرزوں سے زیادہ نہیں' لیکن انسانی معاشرے میں انہیں ذریعہ تبادلہ اور قوتِ خرید کا حامل تسلیم کر لیے جانے کی وجہ سے ان کی حیثیت ثمن کی ہوگئی' لہٰذا موجودہ صورت حال میں نوٹ کو ثمن عرفی قرار دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں' نہ تو اسے سند کہا جا سکتا ہے نہ مالِ تجارت۔ نوٹ کی شرعی حقیقت اور حیثیت کے بارے میں محققین اور اہلِ علم کے مختلف نظریات ہیں:

(۱) ایک جماعت کا نظریہ ہے کہ نوٹ بذاتِ خود کوئی سامان یا مال نہیں بلکہ اس کی حیثیت محض سند اور وثیقہ کی ہے' کیونکہ نوٹ تو محض کاغذ کا ایک پرزہ ہے' اس میں ہزار یا پانچ سو کی مالیت کس طرح آ سکتی ہے؟ اس نظریہ کے حاملین میں حکیم الامت اشرف علی تھانوی' مولانا خلیل احمد سہارنپوری' حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی' مفتی سعید احمد' مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب' مفتی محمد شفیع صاحب اور مصری عالم علامہ سید احمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہم کے نام نمایاں ہیں۔ (۱)

ان حضرات کے دلائل کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱) اگر نوٹ کے سرکاری سند اور وثیقہ ہونے سے قطع نظر کر لیا جائے تو اسے کوئی ایک روپیہ میں بھی نہیں خریدے گا۔

(۲) نوٹ حکومت کی طرف سے جاری کردہ ہے اور اس کے حامل سے حکومت نے جو معاہدہ کیا ہے اس کی ادائیگی کا ہر وقت ذمہ لیا ہے۔ حکومت نے اس کو سکہ نہیں قرار دیا ہے' جیسا کہ نوٹ پر لکھی ہوئی عبارت ''حامل ہٰذا کو مطالبہ پر ادا کرے گا' اور حکومت پاکستان کی ضمانت سے جاری ہوا'' سے واضح ہوتا ہے۔ یہ عبارت بجائے خود نوٹ کے وثیقہ ہونے کو واضح کرتی ہے جس کو سٹیٹ بینک کے گورنر کی توثیق کی وجہ سے قبول کیا جاتا ہے' ورنہ خود اس کاغذ میں اتنی قوت خرید نہیں جو اس توثیق کی وجہ سے اس میں تسلیم کر لی جاتی ہے اور نہ اس توثیق کے بغیر کوئی اس کو خرید و فروخت کے لیے قبول ہی کرتا ہے۔ پھر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ نوٹ کا آغاز اور اس کی ترویج بھی اس کی تائید کرتی ہے' کیونکہ ابتدا میں بینک کے نوٹ کی بجائے لوگ بطور خود رقوم کے وثیقے لکھا کرتے تھے جو قبول کر لیے جاتے تھے۔ بعد میں یہ اختیار حکومتوں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس طرح ان کی مہرِ تصدیق سے نوٹ چلنے لگے۔ پھر حکومت نے زر پر کنٹرول کرنے کے لیے یہ حق سٹیٹ بینک کو سونپ دیا۔ اور اب بینک نوٹ جاری کرتے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ نوٹ وثیقہ ہے۔ فقہ کی اصطلاح میں یہ حوالہ ہے' نوٹ ادا کرنے والا محیل' وصول کرنے والا محتال اور بینک محتال علیہ ہے۔

(۳) اگر یہ مال ہوتا تو اسے چاک کر دینے یا دریا میں پھینک دینے یا جل جانے یا اور کسی طرح نقصان یا ہلاک ہو جانے سے وہ بالکلیہ ہلاک ہو جانا چاہیے لیکن نوٹ کے نمبرات محفوظ کر کے چاک کر دیا جائے تو عند الطلب حکومت سے اتنے نوٹ مل جاتے ہیں۔

(۴) دنیا میں کوئی ایسی مبیع نہیں ہے کہ مشتری کے قبضہ کر لینے کے بعد اس میں نقصان ہو یا وہ فنا ہو جائے تو بدل لیں حالانکہ نوٹ کی تبدیلی بینک سے ہوتی ہے۔

(۵) یہ ایک رقعہ غیر نامی ہے۔ اس پر تحریر کردہ رقم کی وصولی ہر وقت حکومت سے ہو سکتی ہے۔ یہ ان حضرات کے دلائل کا خلاصہ ہے جو کرنسی نوٹ کو سند اور وثیقہ قرار دیتے ہیں اور اسے مالِ حقیقی کی حیثیت نہیں دیتے۔

لہٰذا نوٹ کو سند زر اور حوالہ و وثیقہ ماننے کی صورت میں زکوٰۃ' صدقۃ الفطر اور کفارات کی ادائیگی نوٹ سے درست نہ ہوگی..... تاوقتیکہ:

(۱) فقیر کو نوٹ بھنا کر نقد نہ دیا جائے یا خود فقیر اس کا روپیہ نقد نہ بنا لے یا غلہ کپڑا وغیرہ نہ خریدے۔ کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک مال شرط ہے اور نوٹ فقیر کو دینے سے اصل مال پر قبضہ نہیں ہوتا بلکہ سند اور وثیقہ مال پر قبضہ ہوتا ہے جس طرح کسی فقیر کو پرچہ لکھ کر دیا جائے کہ فلاں صاحب سے ہماری زکوٰۃ کے حساب میں سے اتنا روپیہ وصول کر لو تو محض پرچہ پر قبضہ کرنے سے مال اور روپیہ پر قبضہ شمار نہیں ہوگا تاوقتیکہ اس شخص سے فقیر نقد روپیہ وصول نہ کرے۔

(۲) زکوٰۃ میں دیا ہوا نوٹ اگر فقیر سے گم ہو جائے یا جل کر ضائع ہو جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

(۳) زکوٰۃ کی مد میں ملا ہوا نوٹ اگر فقیر نے ریل' بس یا مکان کے کرایہ میں دے دیا تو زکوٰۃ دینے والے کی

زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

(۴) زکوٰۃ کا نوٹ اگر فقیر اپنے قرضہ میں دے دے جب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ نوٹ کا روپیہ بھنا کر قرضہ ادا کرنا ہوگا۔

(۵) اگر کسی نے کسی کو بطور ہبہ نوٹ دیا تو ہبہ کی تکمیل تب ہوگی جب اس نوٹ کا نقد روپیہ موہوب لہ بھنائے یا کچھ مال خرید کر اس پر قبضہ کرے۔ محض نوٹ پر قبضہ کرنے سے ہبہ شرعاً صحیح و تام نہیں ہوگا حتیٰ کہ اگر موہوب لہ نے نوٹ کا روپیہ نہیں لیا یا کوئی چیز اس سے نہیں خریدی تو ہبہ کرنے والا اس ہبہ کیے نوٹ کو واپس لے سکتا ہے۔

(۶) اس رائے کے قائل حضرات کے نزدیک نوٹ سے سونا یا چاندی یا اس کے زیورات، سچا گوٹہ لچکا حتیٰ کہ اشرفی خریدنا بھی جائز نہیں۔ پہلے اس نوٹ سے نقد روپیہ (درہم و دینار) یا سامانِ ضرورت خریدا جائے، ورنہ بائع و مشتری دونوں سودی لین دین میں ملوث ہوں گے۔

ان حضرات کے سامنے مارکیٹ میں کرنسی نوٹ کی ابتدا ہوئی تھی اور آج کی طرح اس کا رواج عام نہیں تھا، بلکہ اُس زمانے میں چاندی کا روپیہ بھی چلتا تھا اور نوٹ اپنے ابتدائی دور میں حوالہ کی حیثیت رکھتا تھا اور عندالطلب سرکار کے خزانہ سے اس کا عوض سونا اور چاندی کی شکل میں مل جاتا تھا۔ لہٰذا اس دور میں بربنائے احتیاط مذکورہ بالا اکابر نے اس کو حوالہ اور سند زر قرار دے کر اس کے احکام متفرع کیے۔

(۲) اس کے بالکل برعکس دوسرا نظریہ یہ ہے کہ نوٹ کی حیثیت محض مال اور سامان کی ہے، کیونکہ لین دین اور سارے معاملات نفس کاغذ ہی سے متعلق ہوتے ہیں اور کاغذ مال متقوم ہے جس کی قدر و قیمت عرف و رواج کی وجہ سے بڑھ گئی ہے، جیسے ہیرے جواہرات جو کہ انتہائی قیمتی ہوتے ہیں لیکن ان کی حیثیت سامان اور مال کی ہوتی ہے، سونے چاندی کے احکام اس میں جاری نہیں ہو سکتے۔ بعینہٖ یہی حیثیت کاغذی نوٹوں کی ہے۔ یہ نظریہ شیخ عبدالرحمٰن بن سعدی اور شیخ یحییٰ امان رحمہما اللہ کا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ السعدیہ میں ہے:

> ان الثمن هو النوط حيث اشترى به كما انه هو السلعة ..... فليس هو ذهباً ولا فضة وانما العقد واقع على نفس القرطاس وهو المقصود لفظا ومعنى ..... لا يحكم عليها باحكام الذهب والفضة من زيادة ونقصان و جواز بيع بعضها ببعض وبيعها بنقد متماثلاً ومتفاضلاً من جنس و اجناس (۲)

یہی رائے علماء رام پور، علمائے بریلی اور مولانا احمد رضا خان کی ہے۔ (۳)

(۳) ایک جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ کاغذی نوٹ دراصل سونے چاندی کے دنانیر اور دراہم کے قائم مقام ہیں۔ یعنی نہ تو ان کی حیثیت محض سند اور حوالہ کی ہے اور نہ ہی یہ سامان کے حکم میں ہیں اور نہ ہی ان میں بذاتِ خود ثمنیت پائی جاتی ہے، لیکن چونکہ عرف و رواج کی وجہ سے یہ کاغذی نوٹ اصل ثمن (سونے چاندی) کے قائم مقام اور اس کا بدل ہیں، لہٰذا جو احکام اصل اور مبدل منہ کے ہوں گے وہی اس کے قائم مقام اور بدل کے ہوں گے۔ (۴)

یہ نظریہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی اور ان کے تلمیذ خاص حضرت مولانا فتح محمد صاحب کا ہے۔ (۵)

(٤) چوتھا نظریہ یہ ہے کہ روپے دراصل سکوں کے حکم میں ہیں' کیونکہ نہ تو اس کی حیثیت سامان کی ہے اور نہ ہی اب ان کو محض وثیقہ اور سند سمجھا جاتا ہے' بلکہ اس کی حیثیت اثمانِ مروّجہ کی ہے۔ اس نظریہ کو معتدل اور حق سمجھا گیا ہے۔

شیخ عبداللہ بن سلیمان ممبر دارالافتاء الریاض نے لکھا ہے:

هذه النظرية ترى ان الاوراق النقدية كالفلوس فى طرؤ الثمنية عليها فما ثبت للفلوس من احكام الربا والزكاة والسلم ثبت للاوراق النقدية مثلها۔ وقد قال بهذه النظرية مجموعة كبيرة من افاضل العلماء ويعتبر القابل بها فى الجملة وسطًا بين القائلين بالنظرية السندية والقائلين بالنظرية العرضية ..... ولا شك انه اقرب الاقوال الى الاصابة فى نظرنا(٦)

اور شیخ احمد الخطیب نے لکھا ہے:

فتبين بجميع ذالك ان النوت كالفلوس النحاسية فى جميع احكامها ظاهرًا وباطنًا(٧)

اور شیخ عبداللہ بن بسام نے تحریر کیا ہے:

لانها ليست ذهبا ولا فضة وانما هى اثمان تتغير كما تتغير القروش بالكساد والرواج وتقرير الحكومات ..... فاذا كان الورق بالقروش اشبه ..... فالاحسن ان تلحق به وان تعطى حكمه وحكم القروش معروف ان القروش يجرى فيها الربا النسيئة ولا يجرى فيها ربا الفضل فكذالك يجرى مجراها الورق بانواعها(٨)

یعنی نوٹ قروش (نیکل کے مخصوص سکّے) کے حکم میں ہیں' کیونکہ یہ سونا چاندی تو یقیناً نہیں ہیں بلکہ یہ تو اثمانِ مروّجہ ہیں جو قروش کی طرح متغیر ہوتے رہتے ہیں.....اس لیے یہ بھی ان ہی کے حکم میں ہوں گے۔

ثمنیّت اور نقدیّت کا مفہوم اور اس کے عناصر

ثمن کی تعریف میں ابوبکر جصاص نے لکھا ہے:

الثمن ما يثبت فى الذمة بدلة من البياعات من الدراهم والدنانير(٩)

''خرید وفروخت میں جو کچھ بطور بدل کے خریدنے والے کے ذمے آتا ہے خواہ وہ درہم یا دینار ہو وہی ثمن ہے۔''

اس کے بنیادی عناصر کا جدید ماہرین اقتصادیات نے اپنی تعریفوں میں ذکر کیا ہے۔ نقد کی تعریف یہ کی گئی ہے:

النقد ما يستخدم وسيطًا للتبادل ومقياسًا للقيم ومخزونًا للثروة ومعيارًا للمدفوعات الآجلة من الديون (١٠)

''نقد ہر وہ چیز ہے جو ذریعہ تبادلہ اور قیمتوں کے لیے پیمانہ ہو اور حصولِ ثروت کے لیے اس کا جمع کرنا ممکن اور مؤخر حقوق ومطالبات کے لیے معیار ہو۔''

نقد کی مذکورہ بالا تعریف سے اس کے چار عناصر کا علم ہوتا ہے:

(ا) نقد ذریعہ تبادلہ ہوتا ہے۔ ہر انسان کو زندگی میں مختلف اشیاء کی ضرورت پڑتی ہے لیکن ہر ایک کے پاس ہر ایک چیز کا ہونا ضروری نہیں بلکہ ممکن نہیں۔ ایک چیز ایک شخص کے پاس ہے تو وہی چیز دوسرے شخص کے

پاس نہیں اور دوسرے کے پاس موجود شے پہلے کے پاس نہیں--- اس وقت ایک دوسرے سے تبادلہ کی صورت کیا ہوگی؟ سامان کو ذریعہ بنایا جاسکتا ہے جیسا کہ ابتدائی دور میں ہوتا تھا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہر آدمی کو ہر سامان کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ ہر ایک ہر سامان پر راضی ہونے کو تیار ہوتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل میں سونے چاندی کی محبت وعظمت ڈال کر ذریعہ تبادلہ کے طور پر پیدا فرمایا۔

(۲) نقدیت وثمنیت کا دوسرا عنصر پیمانہ قیمت ہونا ہے۔ اگر اموال کی قیمت کا کوئی معیار اور پیمانہ مقرر نہ ہو تو ہر آدمی اپنے اندازے اور مفاد کے مطابق قیمتوں کا تقرر کرے گا جو نزاع کا باعث بنے گا۔ اس نزاع سے بچنے کی خاطر کسی مقیاس و پیمانہ کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اللہ عزّوجلّ نے سونے چاندی کو پیمانہ و معیار مقرر فرمایا۔

(۳) تیسرا عنصر قابلِ مخزون ہونا ہے۔ ہر انسان مستقبل کی زندگی کے لیے مال جمع کرنا چاہتا ہے جو ٹوٹ پھوٹ اور تغیّر سے محفوظ ہو اور یہ وصف سونا چاندی میں بدرجہ اتم پایا جاتا ہے' کیونکہ ان دونوں کے علاوہ ہر شے کی زندگی معمولی ہوتی ہے اور چند یوم کے بعد وہ بگاڑ کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس مشکل کے حل کے طور پر اللہ تعالیٰ نے سونا چاندی کو پیدا کیا جو نہ خراب ہوتے ہیں اور نہ عموماً کسی تغیر کا شکار ہوتے ہیں۔

(۴) نقدیّت کا چوتھا اور آخری عنصر مؤخّر حقوق و مطالبات کے لیے معیار ہونا ہے۔ یعنی قرض' مہر وغیرہ دوسرے مؤجّل معاملات میں سونا چاندی ہی معیار ہیں۔ کوئی بھی آدمی ان مطالبات میں کسی سامان کو معیار نہیں بناتا' کیونکہ معیار وہی چیز بن سکتی ہے جو تغیر وتبدل سے پاک ہو اور تغیر وتبدل سے عام طور پر پاک سونا و چاندی ہی ہے۔

یہ وہ چار عناصر ہیں جن کی بنا پر سونا چاندی کو نقد وثمن قرار دیا گیا ہے۔ نقد کے اجزائے تعریفی کی تعیین و تشریح کے بعد یہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ اس کے مفہوم میں کیا کیا چیزیں داخل ہوسکتی ہیں۔ اس کا حقیقی اور اوّلین مصداق تو سونا چاندی ہی ہے' کیونکہ ان کے اندر ثمنیت کے جملہ عناصر مکمل طور پر موجود ہیں۔ اس لیے فقہاء نے انہیں ثمن خلقی قرار دیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر کوئی دوسری شے بطور سکہ کے لوگوں میں رائج ہو جائے اور وہ بھی سونا چاندی کی طرح ذریعہ تبادلہ قرار پائے تو کیا نقد اور ثمن کا اطلاق اس پر بھی درست ہوگا یا نہیں؟ قاعدہ اور ضابطہ کی بات تو یہی ہے کہ اس پر بھی نقد وثمن کا اطلاق درست ہے' البتہ یہ فرق ملحوظ رہے گا کہ سونا چاندی ثمنِ خلقی ہیں اور یہ ثمنِ عرفی۔

چنانچہ حنفیہ کا مسلک اور مالکیہ کا مشہور مذہب یہی ہے۔ امام مالک نے تو یہاں تک فرمایا کہ اگر چمڑے کو بھی اس حیثیت سے رواج مل جائے تو وہ ثمن قرار پائے گا۔ چنانچہ المدوّنۃ الکبریٰ میں ہے:

''اگر لوگوں کے درمیان چمڑے کے ذریعہ خرید وفروخت کا اس قدر رواج ہو جائے کہ وہ چمڑا ثمن اور سکّہ کی حیثیت اختیار کر جائے تو اس صورت میں میرے نزدیک سونے چاندی کے ذریعہ اس چمڑے کو ادھار فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا۔''(۱۱)

ثمن اور نقد کے عناصر معلوم ہونے کے بعد مروّجہ کرنسی نوٹ کا جائزہ لینا چاہیے کہ اس پر نقد کی مذکورہ بالا

تعریف صادق آتی ہے یا نہیں؟

(۱) عرف ورواج کی رو سے کرنسی نوٹ نہ صرف ذریعہ تبادلہ بن چکا ہے بلکہ اس سے زیادہ آسان ذریعہ تبادلہ اس کے سوا کوئی نہیں۔

(۲) نقدیت کا دوسرا عنصر پیمانہ قیمت ہونا بھی اس کے اندر موجود ہے۔ چنانچہ اشیاء کی قیمتوں کا اندازہ سامان یا دیگر اشیاء کی بجائے نوٹ ہی سے لگایا جاتا ہے جو اس بات کی کھلی علامت ہے کہ ہمارے عرف میں آج صرف نوٹ ہی مقیاسِ قیمت ہے۔

(۳) نقدیت وثمنیت کے تیسرے عنصر مخزونیت کا انکار بھی کھلی حقیقت کا انکار ہوگا۔ یہ بینکوں کا نظام اسی مخزون للثروۃ کی واضح ترین شکل ہی ہے۔ چنانچہ بینکوں میں رکھے ہوئے کرنسی نوٹ برسہا برس بعد بھی حسب مرضی اکاؤنٹ ہولڈر نکال سکتا ہے۔ باقی رہا یہ کہ روپیہ کاغذ کا پرزہ ہے جو پائیدار نہیں ہے چنانچہ روپیہ یا اس جیسے اثمان اصطلاحیہ' مخزون للثروہ کی صلاحیت نہیں رکھتے' یہ بجا لیکن اس کا ایک دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ جدید اکاؤنٹنگ کا نظام اس کمی کی تلافی کر دیتا ہے۔ کرنسی کا کاغذ اگرچہ غیر محفوظ ہے لیکن اس پر جو نمبر پڑا ہوتا ہے وہ یقیناً محفوظ ہے' کرنسی اگر پھٹ بھی جائے لیکن نمبر محفوظ ہو تو نمبر دکھا کر اس قیمت کا دوسرا نوٹ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کرنسی نوٹ مخزون نہیں۔ اگر یہ جمع کرنے کے لائق نہیں تھے تو دنیا کے لاکھوں کروڑوں انسان بینکوں میں اپنے روپے کیسے جمع کرتے اور جلد یا بدیر جب اور جہاں انہیں محفوظ طور پر کیسے نکال سکتے؟ ناقابل تغیر اور محفوظ ہونے کی اس سے بڑی اور واضح دلیل اور کیا ہو سکتی ہے؟ رہا قیمت کے گھٹنے بڑھنے کا مسئلہ تو اس پر بحث ان شاء اللہ ہم آئندہ سطور میں کریں گے۔

(۴) نقدیّت وثمنیّت کا چوتھا عنصر مؤجّل ومؤخّر مطالبات کے لیے معیار ہونا ہے۔ یہ چیز بھی مکمل طور پر کرنسی نوٹ میں موجود ہے۔ پوری دنیا میں مؤخر معاملات روپے ہی سے طے کیے جاتے ہیں' مثلاً مہر' دین' قرض وغیرہ تمام معاملات میں معیار یہی کرنسی نوٹ ہی ہوتے ہیں۔

اس جائزے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ کرنسی نوٹ پر ثمن کی تعریف صادق آتی ہے اور اس کی ثمنیت سے انکار کی گنجائش اس لیے نہیں کہ ثمن کے عناصر اربعہ بتمامہا کرنسی نوٹ میں موجود ہیں۔

محض اس بنیاد پر کہ نوٹ پر وعدۂ زر کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں' اسے سند اور وثیقہ محض قرار دینا انصاف کی بات نہیں' کیونکہ یہ ابتدائی صورت حال تھی جب ان نوٹوں کے عوض سونے چاندی کا حصول آسان تھا۔ لیکن آج تجربات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ حکومت سے سونا چاندی حاصل کرنا مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ مزید عرف عام اور اصطلاح عوام الناس نے نوٹ کی یہ حیثیت لوگوں کے ذہنوں سے محو کر دی ہے' چنانچہ آپس کے لین دین کے وقت کسی کے حاشیہ خیال میں بھی یہ نہیں آتا کہ ہم سند اور وثیقہ پیش کر کے حکومت کے ذمہ اپنا حق اس کے حوالے کر رہے ہیں۔ اس وقت یہ رسمی الفاظِ وعدہ اپنی حقیقت کھو چکے ہیں خود اربابِ حکومت کے ہاں بھی ان الفاظ کی کوئی حقیقت نہیں رہ گئی ہے' ورنہ سونا چاندی کی ادائیگی میں انہیں کوئی تامل نہ ہوتا۔

حاصل یہ کہ نوٹ عرف عام کی بنا پر بلاشبہ ثمن ہیں اور کاغذ کے بے قیمت پُرزے کے باوجود مال کی سب

سے اعلیٰ قسم میں داخل ہیں جب تک حکومت وقت اور عرفِ عام ان کی ثمنیت ختم نہ کر دے‘ اس لیے کہ مال کی تعریف ان پر صادق آتی ہے۔ ردّالمختار میں مال کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

المال مایمیل الیه الطبع ویمکن ادخاره لوقت الحاجة (۱۲)

''مال وہ ہے جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو اور حاجت وضرورت کے وقت کے لیے اس کا محفوظ کرنا ممکن ہو۔''

کرنسی نوٹ کو مال اور ثمن تسلیم کرنے کے بعد یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگر یہ ثمن ہیں تو ان میں تفاضل وتناقص کے ساتھ بیع کا حکم کیا ہے؟ کیا وہی جو درہم ودینار کا ہے یا کچھ اور؟

اس سوال کی بنیاد فلوس کی بیع کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ فلوس کی بیع آپس میں تفاضل وتناقص کے ساتھ ہونے کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی کے نزدیک درہم ودینار کے سوا کوئی شے ثمن نہیں بن سکتی اگرچہ عرف میں اس کا رواج بطور ثمن وسکہ کے رائج ہو جائے۔ اسی وجہ سے ان کے نزدیک فلوس کی بیع تفاضل کے ساتھ جائز ہے۔ صاحب المجموع نے لکھا ہے:

یقول الامام الشافعی الذهب والفضة بائنان من کل شیء لا یقاس علیهما غیرهما لمباینتهما ما قیس علیهما(۱۳)

''امام شافعی کا قول ہے سونا وچاندی کا معاملہ ہر شے سے الگ ہے‘ ان پر کسی دوسری شے کو قیاس نہیں کیا جاسکتا‘ اس لیے کہ مقیس اور مقیس علیہ میں تباین کی نسبت ہے۔''

اور علامہ نووی نے لکھا ہے:

اذا راجت الفلوس رواج النقود لم یحرم الربا فیها هذا هو الصحیح المنصوص علیه(۱٤)

''جب فلوس کو نقود کی طرح رواج مل جائے تو بھی ان میں ربا حرام نہیں یہی صحیح ہے جس کی تصریح کی گئی ہے۔''

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک فلوس وغیرہ عرف ورواج کی بنا پر اگرچہ ثمن بن جاتے ہیں لیکن ان کی ثمنیت دائمہ نہیں‘ بلکہ متعاقدین اگر ان کی ثمنیت کے ابطال پر راضی اور متفق ہو جائیں تو ثمنیت باطل ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک فلوس کی بیع تفاضل کے ساتھ جائز ہے۔ ہدایہ میں ہے:

ویجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانهما عند ابی حنیفة وابی یوسف وقال محمد لا یجوز لان الثمنیة ثبت باصطلاح الکل فلا تبطل باصطلاحهما ..... فصار کبیع الدرهم بالدرهمین ولهما ان الثمنیة فی حقهما باصطلاحهما اذ لا ولایة للغیر علیهما فتبطل باصطلاحهما (۱۵)

''اور ایک فلس کی بیع دو فلس کے ساتھ جائز ہے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک‘ جبکہ امام محمد کے نزدیک ناجائز ہے۔ اس لیے کہ اس کی ثمنیت عرف عام سے ہوئی ہے تو دونوں (متعاقدین) کی باہمی اصطلاح سے وہ باطل نہیں ہوسکتی۔ پس وہ ایک درہم کی بیع کی طرح ہو گیا دو درہم کے بدلے۔ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ثمنیت ان دونوں کی باہمی اصطلاح سے ثابت ہوتی ہے‘ کیونکہ وہ دونوں کسی کی ولایت میں نہیں ہیں اور جب ان دونوں کی باہمی اصطلاح سے فلوس میں ثمنیت کا ثبوت ہوا ہے تو انہی دونوں کی

اصطلاح سے وہ ساقط بھی ہوسکتی ہے۔انتہیٰ''

احناف کے نزدیک علت ربا قدری یعنی کیلی اور وزنی ہونا ہے اور فلوس نہ کیلی نہ وزنی بلکہ عددی ہیں اور کاغذی نوٹ تو بطریق اولیٰ عددی ہیں' کیونکہ فلوس تو پھر بھی وزنی ہو سکتے ہیں لیکن کاغذی نوٹ عددی ہی ہوتے ہیں اور عددیات کی بیع باہم تفاضل کے ساتھ جائز ہے۔کاسانی نے لکھا ہے:

یجوز بیع المعدودات المتقاربة من غیر المطعومات بجنسها متفاضلاً عند ابی حنیفة وابی یوسف بعد ان یکون عدد ابعدد کبیع الفلس بالفلسین باعیانهما وعند محمد لا یجوز لهما ان علة الربا هی القدر مع الجنس وهو الکیل والوزن المتفق عند اتحاد الجنس والمجانسة ان وجدت ههنا فلم یوجد القدر فلا یتحقق الربا(۱۶)

مالکیہ کا مسلک یہ ہے کہ علی الاطلاق کسی صورت میں تفاضل جائز نہیں ہے۔المدوّنۃ الکبریٰ میں ہے:

لان مالکا قال لا یجوز بیع فلس بفلسین ولا تجوز بیع الفلوس بالذهب ولا بالدنانیر.....(۱۷)

''امام مالک کے نزدیک ایک فلس کی بیع دو فلسوں کے عوض ناجائز ہے۔اسی طرح سونا چاندی اور درہم و دینار کے ذریعہ بھی فلوس کی ادھار بیع جائز نہیں ہے (اس لیے کہ سونا چاندی درہم و دینار میں حقیقی ثمنیت موجود ہے اور سکوں میں اصطلاحی ثمنیت اور امام مالک کے نزدیک ثمنیت کے ہوتے ہوئے اگر اجناس مختلف ہوں تب بھی ادھار جائز نہیں)۔''

امام احمد کا مسلک

اس بارے میں امام احمد کے دو قول ہیں۔ایک یہ کہ ایک سکے کا تبادلہ دو سکوں سے جائز ہے' کیونکہ حرمتِ ربا کی علت ان کے نزدیک وزن ہے اور سکے و فلوس وغیرہ عددی ہیں' اس لیے علتِ حرمت ربا موجود نہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ فلوس کا اس طرح تبادلہ جائز نہیں۔

مذکورہ بالا اختلاف کے پیش نظر ثمن اصطلاحی کی حیثیت کے بارے میں تشویش پیدا ہوسکتی ہے' لیکن یہ اختلاف اُس وقت تھا جب خرید و فروخت میں اشیاء کا معیار سونا چاندی ہوا کرتے تھے۔فلوس کی حیثیت تابع کی ہوتی تھی' اس لیے اس وقت کسی حد تک اس میں اختلاف کی گنجائش تھی اور اس کی بھی گنجائش تھی کہ ثمن اصطلاحی کو ثمن خلقی کی موجودگی میں بالکل ثمن خلقی کی حیثیت نہ دی جائے' لیکن آج سونے چاندی کے سکے نایاب ہو چکے ہیں اور ثمن اصلی یہی نوٹ قرار پا چکے ہیں' اب اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہ رہی۔

مذکورہ بالا اقوال میں امام محمد اور امام مالک کا مسلک دلائل کے اعتبار سے قوی ہے' کیونکہ شریعتِ اسلامیہ میں عرف کو اساسی حیثیت حاصل ہے اور عرف میں جب کسی چیز کو ثمنیت حاصل ہوگئی تو اس کی ثمنیت کے ابطال کے کیا معنی؟ اور وہ بھی اس وقت جب عرفِ عام بن چکا ہو' پوری دنیا میں اس کا رواج چل پڑا ہو اور سونے چاندی کے سکے غائب ہو چکے ہوں۔اندریں حالات شیخین کی یہ بات فہم سے بالاتر ہے کہ ''اگر متعاقدین ثمنیت کے ابطال پر راضی ہو جائیں تو بیع الفلوس بالفلوس میں تفاضل جائز ہے'' کیونکہ جو ثمنیت عرفِ عام اور اصطلاح عام سے ثابت ہو اس کو دو آدمی مل کر آخر کیسے توڑ سکتے ہیں اور اس عمومِ کلی سے یہ دو آدمی آخر مستثنیٰ کیسے ہو سکتے

ہیں؟ مزید برآں فلوس‘ سکے اور نوٹوں کی بیع میں ثمنیت کے سوا اور کیا مقصد ہوسکتا ہے؟ کیا سکوں کی خرید وفروخت سے بجائے ثمنیت کے گلٹ‘ تانبا اور پیتل کا حصول ہے؟ اس لیے آج کل کے حالات میں دونوں کا باہمی طور پر ثمنیت کے ابطال کی کوشش کرنا حیلہ کی ایک ایسی صورت ہی شمار ہوگی‘ جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

کرنسی نوٹوں اور دراہم ودینانیر کا باہمی فرق

دورِ حاضر میں کرنسی نوٹ اگرچہ اسی طرح ثمن رائج ہے جس طرح زمانہ گزشتہ میں دینار و درہم تھے‘ بایں ہمہ پھر بھی ان دونوں میں کئی وجوہ سے فرق ہے۔

(۱) درہم ودینار کی ثمنیت خلقی ہے عرف عام کے تابع نہیں۔ بالفرض اگر عرف عام میں ان کا رواج ختم ہوجائے یا حکومت اس کی ثمنیت کا اعتبار ختم کردے پھر بھی ان کی ذاتی ثمنیت بالکلیہ ختم نہیں ہوسکتی‘ ہاں نمایاں تغیر ضرور واقع ہوسکتا ہے‘ جبکہ نوٹ کی ثمنیت عرفِ عام کی وجہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ عرفِ عام کی تبدیلی یا حکومت کے اسے غیر معتبر قرار دینے کی صورت میں یہ کاغذ کا بے وقعت پرزہ ہوجائے گا۔

(۲) درہم ودینار میں ثمنیت کے ساتھ ساتھ وزنیت کا بھی اعتبار ہے‘ چنانچہ درہم ودینار کی آپس کی بیع تفاضل کے ساتھ جائز نہیں‘ جس طرح ایک درہم کی بیع دو درہم کے ساتھ اور ایک دینار کی بیع دو دینار کے ساتھ جائز نہیں اسی طرح ایک زیادہ وزنی درہم یا دینار کی بیع کم وزن کے درہم ودینار کے ساتھ جائز نہیں۔ دونوں صورتیں ربا میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام ہیں۔ چنانچہ حدیث میں مذکور اشیاءِ ستہ میں سونا چاندی کے ساتھ وزناً بوزنٍ کی قید لگائی گئی ہے‘ یعنی سونا چاندی کی آپس میں بیع کی صورت میں وزن کے اعتبار سے مساوات ضروری ہے ورنہ ربا کا تحقق ہوجائے گا۔ یہی کچھ امام شافعی نے کتاب الام میں‘ ابن قدامہ نے المغنی میں اور ابن عابدین نے ردالمختار میں لکھا ہے‘ جبکہ نوٹ میں وزن کے لحاظ کے کوئی معنی نہیں وہاں صرف ثمنیت اور قیمت میں مساوات ضروری ہے‘ اگرچہ عدد اور وزن کے لحاظ سے مساوات موجود نہ ہو‘ چنانچہ اگر کوئی سو کے ایک نوٹ کے بدلے سو کی تعداد میں ایک ایک روپے کے نوٹ حوالہ کردے تو اسے ربا نہیں کہا جائے گا‘ حالانکہ وزن اور عدد دونوں اعتبار سے ایک ایک روپے کے سو نوٹ سو روپے کے ایک نوٹ سے زیادہ ہیں۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ نوٹوں کے معاملہ میں مساوات صرف ثمنیت اور قیمت میں ضروری ہے نہ کہ وزن اور عدد میں۔

(۳) سونا چاندی کی زکوٰۃ کا نصاب شریعت کا مقرر کردہ ہے جبکہ کرنسی نوٹ فی نفسہ کوئی قیمت نہیں رکھتے‘ ان میں ثمنیت عرفِ عام کی وجہ سے آئی ہے‘ اس لیے سونا یا چاندی کے نصاب کے بقدر اگر ان کی قیمت ہو تو زکوٰۃ کا وجوب ہوگا ورنہ نہیں۔

(۴) نوٹ کی قیمت اور جنس اختلافِ ممالک سے مختلف ہوجاتی ہے‘ چنانچہ امریکہ کا ڈالر‘ برطانیہ کا پونڈ‘ سعودی عرب کا ریال‘ کویت کا دینار اور پاکستانی وانڈین روپیہ سب کاغذی نوٹ ہونے کے باوجود قیمتاً یکساں نہیں‘ اس لیے یہ سب مختلف الاجناس کے حکم میں ہوں گے‘ اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ اختلافِ جنس کی صورت میں کمی بیشی ربا نہیں ہوتا‘ چنانچہ ایک امریکی ڈالر کو نوے روپے پاکستانی اور ایک سعودی ریال کو

پچیس روپے پاکستانی میں بیچنا اور خریدنا ربا نہیں' جبکہ درہم و دینار کی قیمت پر اختلافِ ممالک یوں اثر انداز نہیں ہوتا' بلکہ اس کی قیمت دنیا کے ہر ملک میں تقریباً یکساں رہتی ہے۔

(۵) نوٹ کی قیمت اور ثمنیت حکومتی توثیق کی محتاج ہے' چنانچہ اگر نوٹ پر حکومت کی جانب سے توثیق کی عبارت نہ ہو تو صرف کاغذ کے ایک بے وقعت پرزہ سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں' جبکہ درہم و دینار کی ثمنیت کو اس قسم کی عبارت کی احتیاج نہیں۔

(۶) سونا چاندی' گندم اور جو وغیرہ کے بارے میں فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان میں مثلیت کا اعتبار کیا جائے گا' چنانچہ ایک کلو گندم کی بیع دو کلو گندم سے کسی صورت جائز نہیں' خواہ متعاقدین متفق الدار ہوں یا مختلف الدار۔ اسی طرح چاندی اور سونے کا معاملہ ہے۔ رہے فلوس اور غالب الغش سکے تو ان میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کے وقت قیمت کا لحاظ کیا جائے گا یا اسی طرح کا سکہ ادا کر دینا کافی ہوگا۔ بعض نے قیمت کا اعتبار کیا ہے اور بعض نے اسی طرح کا سکّہ ادا کر دینے کو کافی قرار دیا ہے.....!

یہاں اس معنی میں فرق ثابت کرنا ملحوظ ہے کہ سونا چاندی کی مثلیّت بدیہی ہے جبکہ کرنسی نوٹ کی مثلیت بدیہی نہیں نظری ہے جسے دلائل سے ثابت کرنا پڑتا ہے۔

کرنسی کی قوتِ خرید اور ادائیگیوں پر اس کے شرعی اثرات

کرنسی نوٹ کے بارے میں یہ مسئلہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ ثمن عرفی تسلیم کرنے کے بعد اگر اس کو درہم و دینار کی طرح کا ثمن قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دس سال قبل قرض لیے ہوئے سو روپے کی ادائیگی آج بھی سو روپے سے ہوگی اس پر ایک روپے کا اضافہ بھی ربا ہوگا' خواہ دس سال قبل قرض لیے ہوئے سو روپے کی قیمت اور آج کے سو روپے کی قیمت میں زمین و آسمان کا تفاوت ہو اور اس سے قرض خواہ کا نقصان ہونا یقینی ہو' کیونکہ دس سال قبل کے سو روپے سے وہ اتنا کچھ خرید سکتا تھا جتنا آج کے سو روپے میں نہیں خرید سکتا اور یہ اسلام کے عدل کے خلاف ہے' اور دوسری صورت میں اگر درہم و دینار کی طرح کرنسی نوٹ کو ثمن نہ قرار دیا جائے بلکہ ان کی قیمتوں کا لحاظ رکھا جائے تو اس سے لامحالہ ربا کا دروازہ کھل جائے گا۔ مزید برآں قیمت کو معیار ماننے کی صورت میں عوام الناس کے تمام کاروبار درہم برہم ہو جائیں گے اور ایسے دقیق فنی اصول قائم کرنے پڑیں گے جو عوام کی دسترس سے باہر ہونے کے ساتھ ساتھ مستقل باہمی تنازعہ کے موجب بھی ہوں گے۔ جبکہ اسلام کے مزاج میں سادگی ہے' باریک فنی تشقیقات اور خواہ مخواہ کی موشگافیاں اسے پسند نہیں ہیں' بالخصوص جب عوام الناس کے پریشان ہونے اور ان کے کاروبار کے بگڑنے اور درہم برہم ہونے کا مسئلہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ مشہور فرمان حدیث کی متعدد کتابوں میں موجود ہے: ((اِنَّا اُمَّةٌ اُمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ))(۱۸) اس حساب و کتاب سے مراد وہ باریک حسابات اور فنی تشقیقات ہیں جو عوام کی دسترس سے باہر ہوں وہ اسلام کو پسند نہیں' کیونکہ اسلام صرف خواص کے لیے نہیں بلکہ عوام کے لیے بھی ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ ایسے اصول بناتا ہے جو پُرمعنی' سادہ اور عوام و خواص سب کے لیے یکساں دلچسپی کے حامل ہوں۔ اس لیے ایسا اقدام کرنا یا ایسے اصول بنانا جو سادگی کے خلاف اور فنی اور قانونی پیچیدگی کے حامل ہوں' ان کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا۔

قیمتوں کے گھٹنے بڑھنے کا مطلب کیا ہے اور اس کے لیے معیار کیا ہے؟ قیمتوں کی کمی بیشی اضافی چیز ہے یا حقیقی؟

ان سوالات کے جوابات ملنے پر بہت سے سوالات خود بخود حل ہو جائیں گے۔ مثال کے طور پر آج اگر ایک گھڑی تین ہزار روپے کی ہے' دس سال پیشتر وہی گھڑی ایک ہزار روپے میں بآسانی ملتی تھی تو کیا کہا جائے گا..... گھڑی کی گرانی بڑھ گئی ہے یا روپے کی قیمت کم ہوگئی ہے یا دونوں جانب تبدیلی ہوئی ہے؟ عام محاورات میں دونوں طرح کی بات ہوتی ہے' کوئی کہتا ہے گھڑی مہنگی ہوگئی ہے کوئی کہتا ہے روپے کی حیثیت ہی نہیں رہی۔ محاورات کی بات چھوڑیں' صحیح بات یہ ہے کہ کرنسی تو ثمن ہے' اس کی قیمت کے گھٹنے بڑھنے کے اسباب سے قطع نظر' اصل بات یہ ہے کہ جو سامان اس کے مقابلے میں خریدا گیا ہے وہ گراں ہو گیا ہے۔ اس کی گرانی کی متعدد وجوہات ہو سکتی ہیں' کبھی بازار میں سامان کم ہوتا ہے اور خریدار زیادہ ہوتے ہیں' بالفاظِ دیگر طلب زیادہ اور رسد (سپلائی) کم ہوتی ہے' لہٰذا قدرتی طور پر سامان کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ کبھی ملک کی خراب اقتصادی صورت حال کے پیش نظر اور بجٹ خسارہ کو کنٹرول کرنے اور بین الاقوامی ادائیگیوں میں توازن پیدا کرنے کے لیے اور وزراء وحکام کی تنخواہوں میں اضافہ یا ان کی مراعات میں اضافہ کرنے وغیرہ کے لیے حکومت وقت کاروباری طبقے اور تاجر برادری پر زیادہ ٹیکس لگا دیتی ہے اور تاجر حضرات وہ اضافہ عوام کی طرف منتقل کر دیتے ہیں اور اس طرح قیمتیں چڑھ جاتی ہیں۔

الغرض گرانی وارزانی کا تعلق اصلاً سامان سے ہے' اس لیے جب ملک میں پیداوار زیادہ ہونے کے باوجود کسی چیز کی قیمت کم نہیں ہوتی تو لوگ عام طور پر یہ کہتے ہیں کہ ''اتنی زیادہ پیداوار کے باوجود قیمتیں کم نہیں ہوئیں''۔ اس قسم کے اظہارات سے عرف کے اندرونی احساسات کا پتا لگ جاتا ہے کہ عوام الناس کے نزدیک سامان ہی کی قیمت میں کمی بیشی ہوئی ہے نہ کہ روپیہ میں۔ لیکن چونکہ سامان کی گرانی کی صورت میں روپیہ زیادہ دینا پڑتا ہے تو اسے یوں بھی کہا جاتا ہے کہ ''روپے کی قیمت میں کمی ہوگئی ہے'' حالانکہ روپے کی قیمت نہیں گری سامان کی قیمت بڑھ گئی۔ گویا قیمتوں کا گھٹنا بڑھنا اضافی چیز ہے۔ ایک چیز ایک شخص کی نظر میں بہت قیمتی اور باقدر ہوتی ہے' ہزاروں روپے میں بھی اسے بیچنے پر تیار نہیں ہوتا' لیکن دوسرے کی نظر میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی اس لیے اس کو وہ بہت کم قیمت میں بھی خریدنے کو تیار نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ کمی بیشی حقیقی نہیں اضافی چیز ہے۔ اضافی محاوراتی زبان میں کہہ رہا ہوں' ورنہ حقیقتاً گرانی وارزانی کا تعلق سامان سے ہے نہ کہ روپیہ سے۔ زیر گردش کرنسی کی تعداد میں کمی بیشی سے روپے کی قدر میں جو کمی بیشی نظر آتی ہے وہ بھی ایک اضافی (relative) تصور ہے۔ اور یہ تغیّر اُس صورت میں بھی واقع ہو کر رہتا ہے کہ اگر بجائے کاغذی کرنسی کے سونے چاندی کے رائج شدہ سکّوں کی زیر گردش مقدار میں کمی بیشی ہو جائے۔ گویا اس اعتبار سے کاغذی کرنسی' دھاتی کرنسی سے بالکلیہ مختلف نہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنِ احْتَكَرَ طَعَامًا اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا يُرِيْدُ الْغَلَاءَ فَقَدْ بَرِئَ مِنَ اللّٰهِ وَبَرِئَ اللّٰهُ مِنْهُ)) (۱۹)

''جس نے چالیس دن تک قیمت گراں ہونے کی خاطر کھانے کی کوئی چیز ذخیرہ کی تو وہ اللہ سے اور اللہ اُس سے بری ہے۔''

مندرجہ بالا حدیث میں گرانی کا تعلق جنسِ غلّہ سے قائم کیا گیا ہے روپے کی قدر میں کمی بیشی سے نہیں کیا گیا۔ اسی طرح مشکوٰۃ ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ عہدِ نبوی میں اشیاء کی قیمتیں بڑھیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نرخ مقرر کرنے کی درخواست کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((غَلَا السِّعْرُ عَلٰی عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ سَعِّرْ لَنَا.....))(۲۰)

''عہد نبوی میں نرخ میں گرانی آئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نرخ متعین کرنے کی درخواست کی۔''

اس حدیث میں بھی غلہ اور دوسری اشیاء کی قیمتوں کے مقرر کر دینے کی درخواست کی گئی ہے کہ یہ طے ہو جائے کہ فلاں شے کی قیمت یہ ہوگی۔ اسی سلسلہ کی ایک اور حدیث ہے' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((بِئْسَ الْعَبْدُ الْمُحْتَكِرُ اِنْ اَرْخَصَ اللّٰهُ الْاَسْعَارَ حَزِنَ وَاِنْ اَغْلَاهَا فَرِحَ)) (۲۱)

''غلہ کو دبا کر رکھنے والا بہت برا شخص ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نرخ کو ارزاں کر دیتا ہے تو وہ غمگین ہو جاتا ہے اور جب گراں کر دیتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

كَانَتْ قِيْمَةُ الدِّيَةِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثَمَانَ مِائَةِ دِيْنَارٍ اَوْ ثَمَانِيَةَ آلَافِ دِرْهَمٍ ..... فَكَانَ ذٰلِكَ كَذٰلِكَ حَتّٰى اسْتُخْلِفَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ فَقَامَ خَطِيْبًا فَقَالَ : اَلَا اِنَّ الْاِبِلَ قَدْ غَلَتْ فَفَرَضَهَا عُمَرُ رضی اللہ عنہ عَلٰى اَهْلِ الذَّهَبِ اَلْفَ دِيْنَارٍ وَعَلٰى اَهْلِ الْوَرَقِ اثْنَى عَشَرَ اَلْفَ دِرْهَمٍ(۲۲)

''..... دیت کی قیمت عہد نبوی میں آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم تھی۔ یہ مقدار اسی طرح باقی رہی حتیٰ کہ خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مل گئی تو آپ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اب اونٹ گراں ہو گئے ہیں لہٰذا آپ نے سونا والوں پر ایک ہزار دینار اور چاندی والوں پر بارہ ہزار درہم مقرر کیے۔''

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اونٹ کی قیمت عہد نبویؐ ہی میں بارہ ہزار درہم پر پہنچ گئی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی بارہ ہزار درہم دیت کے لیے مقرر فرمائے تھے۔ چنانچہ:

روی ابوداود والترمذی والنسائی بسندهم ان رجلاً من بنی عدی قتل ..... فجعل نبی الله ﷺ دیته اثنی عشر الفًا ..... کما روی الدارمی ان الرسول ﷺ فرض علی اهل الذهب الف دینار

''قبیلہ بنی عدی کا ایک آدمی قتل کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت بارہ ہزار درہم مقرر فرمائی.....اور سونا والوں پر ایک ہزار دینار مقرر فرمائی جیسا کہ دارمی کی روایت میں ہے۔''

اول الذکر روایت میں خلیفۂ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہی نکلا کہ ''الا ان الابل قد غلت'' کہ اونٹ کی قیمت بڑھ گئی ہے' گرانی مبیع میں ہوئی ہے' یہ نہیں فرمایا کہ درہم و دینار کی قیمت گھٹ گئی ہے۔

آخر میں یہ اصول بھی پیش نظر رہے کہ فقہاء کی تصریح کے مطابق قرض کا جواز صرف مثلی چیزوں میں ہوتا ہے' یعنی جن کے اجزاء یکساں یا متقارب ہوتے ہیں' مثلاً گندم' جو' مکئی وغیرہ۔ ذوات القیم میں قرض کے جواز کا کوئی قائل نہیں۔ ذوات القیم کا معنی ہے ایسی چیزیں جن کے افراد میں تفاوت ہو' مثلاً جانور وغیرہ کہ ان کے

درمیان تفاوت ہے' ان میں قرض کا معاملہ جائز نہیں۔ مثلاً کوئی جانور لے کر اسی جیسا جانور واپس کرنا جائز نہیں۔ یہاں مثلی اور قیمی کی تعریف جاننا فائدہ سے خالی نہیں ہوگا۔ مثلی کی مختلف تعریفات کی گئی ہیں جن کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔ وہ اشیاء جن کی مقدار ناپ تول کر معلوم کی جاتی ہو یا شمار کر کے معلوم کی جاتی ہے' لیکن اس کی اکائیوں میں قابل لحاظ تفاوت وفرق نہ ہو: کالمکیلات والموزونات والمعدودات المتقاربة۔ چنانچہ ہاتھ اور گز سے ناپی جانے والی اشیاء جن کے افراد (units) میں باہم کافی فرق وتفاوت ہو مثلی نہیں بلکہ قیمی ہوں گی۔ زیادہ آسان الفاظ میں کسی شے کے افراد میں مالیت اور قیمت کے اعتبار سے تفاوت نہ ہو یا اتنا کم تفاوت ہو جس کو عام طور پر عوام نظر انداز کر دیتے ہوں وہ مثلی اور جس کے افراد میں قابل لحاظ تفاوت ہو وہ قیمی۔ مثلی اور قیمی کی مندرجہ بالا تعریف سے معلوم ہوا کہ کاغذی نوٹ مثلی ہیں قیمی نہیں۔ یہ نوٹ اگرچہ کیلی اور وزنی تو نہیں لیکن عددی متقاربہ (غیر متفاوتہ) ہونے کی بنا پر مثلی ہیں' کیونکہ ایک ہی تعداد کے دو نوٹ مثلاً دس روپے کے دو نوٹ کی ایک وقت میں ایک ہی مالیت ہوتی ہے اور ان کی قدر میں کوئی تفاوت نہیں ہوتا۔

جب نوٹ کا مثلی ہونا متعین ہو گیا تو یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ مثلی اشیاء میں اکثر فقہاء کے نزدیک صرف اس کی ظاہری صورت ہی ملحوظ ہوتی ہے' یعنی قرض کی ادائیگی میں جو مثلیت شرعاً مطلوب ہوتی ہے وہ مقدار اور کمیت میں ہوتی ہے قیمت اور مالیت میں نہیں۔ مثلاً کوئی شخص دس کلو گندم کسی کو قرض دے دے تو اس کی ادائیگی دس کلو گندم ہی سے ہوگی خواہ قرض لینے اور دینے کے وقت گندم کی قیمت میں فرق بھی واقع ہو گیا ہو۔ چنانچہ ابن قدامہ کا بیان ہے:

ان المستقرض یرد المثل من المثلیات سواء رخص سعره اَو غلا أَوْ کان بحاله (۲۳)

''قرض خواہ مثلیات میں مثل ہی واپس کرے گا خواہ اس کی قیمت بڑھ گئی ہو کم ہو گئی ہو یا جوں کی توں ہو۔''

اور فقہاء مالکیہ نے لکھا ہے:

فاذا غصبه وهو یساوی عشرة وحین التضمین کان یساوی خمسةً او عکسه اخذ بمثله ولا ینظر للسعر الرافع (۲٤)

''کسی نے ایسی چیز غصب کی جو دس درہم کی تھی اور تاوان ادا کرتے وقت اس کی قیمت پانچ درہم یا اس کے برعکس ہو گئی ہو تو اس کی بڑھی ہوئی قیمت کی طرف توجہ کیے بغیر مثل وصول کیا جائے گا۔''

علامہ نووی نے لکھا ہے:

اذا أقرض شیئًا له مثل کالحبوب والأدهان والدراهم والدنانیر وجب علی المقرض رد مثلها لانه اقرب اِلیه (۲۵)

''اگر مثلی شے مثلاً دانے' تیل' درہم اور دینار قرض دیا جائے تو مقروض پر اس کے مثل کی واپسی واجب ہوگی کہ یہی اس کے قرض کے قریب تر چیز ہے۔''

اور سرخسی کا بیان ہے:

(ولو بغلاءٍ) لان المقصود هو الجبران وذالك فی المثل اتم لان فیه مراعاة الجنس والمالیة

وفی القیمة المالیة فقط فکان ایجاب المثل اعدل (۲۶)

''کیونکہ اصل مقصود تلافی ہے اور اس کی مکمل صورت مثل ہی کی واپسی ہے' کیونکہ اس میں جنس اور مالیت دونوں کی رعایت ہے جبکہ قیمت میں صرف مالیت کی رعایت ہے۔ لہٰذا مثل کو واجب قرار دینا زیادہ قرین انصاف ہے۔''

حاصل یہ کہ فقہاء نے نرخ کی کمی بیشی کو دین کی ادائیگی اور مالِ مغصوب کی واپسی میں غیر مؤثر مانا ہے۔ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

ولو کان ما اقرضه موجودًا بعینه فرده من غیر عیب یحدث فیه لزم قبوله سواء تغیر سعره او لم یتغیر (۲۷)

''قرض لیا ہوا سامان بعینہٖ بغیر کسی عیب کے موجود ہو اگر اسی حالت میں مقروض واپس کر دے تو قرض دہندہ کے لیے اس کو قبول کرنا لازم ہے خواہ اس کی قیمت میں کوئی تغیر ہوا ہو یا نہ۔''

ملک العلماء کاسانی نے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

اذا عرض فی ید الغاصب ما یوجب نقصان قیمة المغصوب فالعارض لا یخلوا ما ان یکون بتغیر السعر واما ان یکون بفوات جزء من المغصوب ..... فان کان بتغیر السعر لم یکن مضموناً (۲۸)

''غاصب کے ہاتھ میں کوئی ایسا عارض پیدا ہو جائے جو شے مغصوب کی قیمت کم کر دے تو یہ پیدا شدہ نقص یا تو قیمت میں تغیر کی وجہ سے ہوگا یا شے مغصوب کے کسی جز کے فوت ہونے کی وجہ سے.....اگر قیمت میں تغیر کی وجہ سے ہو تو تاوان غاصب پر عائد نہ ہوگا۔''

ان اصول کی روشنی میں نوٹ سے دیون کی ادائیگی کا معاملہ بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ نوٹ ثمن عرفی ہے اور ثمنیت میں اس کو عملاً وہی پوزیشن حاصل ہو چکی ہے جو کسی زمانے میں سونے چاندی کی کرنسیوں کی تھی' اس لیے اگر نوٹوں سے قرض کا معاملہ کیا جائے تو جتنی بھی مدت کے بعد اس کی ادائیگی ہوگی بعینہٖ اسی مقدار کے نوٹ واپس کرنے ضروری ہوں گے' ایک روپیہ کا اضافہ بھی ناجائز ہوگا' خواہ قیمتوں میں کتنا ہی اضافہ ہو جائے' ورنہ سود ہوگا۔ اس صورت میں اگرچہ قرض دینے والے کا نقصان ہوگا۔ اس نقصان کو اس بڑے نقصان سے بچنے کی خاطر برداشت کرنا ہوگا جو اس چھوٹے نقصان کو برداشت نہ کرنے سے آ سکتا ہے۔ کیونکہ اس کا یہ نقصان تو اس صورت میں بھی ہو سکتا تھا جبکہ وہ قرض کا معاملہ کرنسی نوٹ کے بجائے درہم و دینار کے ذریعے کرتا' اُس وقت بھی اشیاء کی گرانی بڑھ سکتی تھی' اس میں درہم و دینار اور نوٹ کا قصور نہیں' اقتصادی حالات اشیاء کی قیمتوں میں اضافے کا باعث بنتے ہیں۔

اس تناظر میں یہ بات بھی نوٹ کیے جانے کے قابل ہے کہ جدید معاشیات اس امر کی بخوبی وضاحت کرتی ہے کہ معیشت میں اگر سودی معاملات قانوناً درست ہوں اور قرض کے لیے دینے کی واحد شکل سود پر مبنی ہو تو اس معیشت میں قیمتوں میں اضافہ اور عدم استحکام زیادہ ہوگا اور نتیجتاً کرنسی کی قوتِ خرید مستقل طور پر کمی کی طرف مائل ہوگی۔ لہٰذا اگر سود پر قانوناً پابندی لگ جائے تو کرنسی کی قوتِ خرید میں استحکام حاصل ہو سکے گا۔

میری ناقص ترین رائے یہ ہے کہ آج کی کرنسی تمام معاملات مثلاً سود جاری ہونے' زکوٰۃ واجب ہونے' بیع

سلم' مضاربت اور شرکت وغیرہ کے رأس المال بننے میں نقدی ہی کی طرح ہوگی اور جس طرح نقدین کی قیمت کے گھٹنے بڑھنے کا شرعاً اعتبار نہیں کیا جاتا ہے اسی طرح کرنسی نوٹ کے افراطِ زر اور تفریطِ زر کے وقت قیمتوں میں کمی بیشی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور مہر و قرض کی ادائیگی میں معین مقدار کی ادائیگی کو کافی سمجھا جائے گا' کیونکہ تمام فقہاء کی تصریح کے مطابق ادائیگی قرض کے وقت مقدار میں قطعی مثلیت اور برابری ضروری ہے نہ کہ قیمت میں' اٹکل اور اندازے سے برابری کو بھی سود اور ناجائز گردانا گیا ہے جس کی واضح ترین مثال بیع مزابنہ کی ممانعت ہے' جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اموالِ ربویہ میں بعض کا بعض کے ساتھ تبادلہ کرتے وقت مقدار میں قطعی برابری اور مثلیت لازم ہے۔

جو حضرات قرضوں کو قیمتوں کے اشاریہ کے ساتھ مربوط کرتے ہیں ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قرض خواہ کو قرض کے برابر ہی روپیہ نہ ملے بلکہ اشیاء کی قیمتوں میں جس تناسب سے اضافہ ہوا ہے اسی تناسب سے قرض کی رقم میں واپسی کے وقت اضافہ کیا جائے' ورنہ ایک تو قرض خواہ کا نقصان ہوگا اور دوسرے اسلام کا عادلانہ نظام بھی اس کی اجازت نہیں دیتا' تیسرے یہ اضافہ جو مقروض قرض خواہ کو ادا کر رہا ہے یہ اضافہ حقیقی نہیں کہ اسے ربا کے دائرے میں شامل کیا جائے بلکہ مقروض اسی مالیت کو واپس کر رہا ہے جو اس نے قرض خواہ سے حاصل کیا تھا۔ بعینہٖ وہی مقدار واپس کرنے سے قرض کی مالیت میں کمی کر کے واپس کرنا متصور ہوگا۔ لیکن اگر غور و فکر اور تدبّر سے کام لیا جائے تو اس دلیل کا بودا پن عیاں ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔ کیونکہ شریعتِ مطہرّہ میں مقدار (ناپ' وزن اور عدد) میں مثلیت ضروری ہے نہ کہ قیمت اور مالیت میں جس کی واضح ترین دلیل صحیحین میں ابو ہریرہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔

''رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو زکوٰۃ و عشر وصول کرنے کے لیے خیبر کا عامل بنا کر بھیجا۔ واپسی پر اس نے آپ ﷺ کی خدمت میں عمدہ قسم کی کھجور پیش کی۔ آپ ﷺ نے دیکھ کر سوال کیا کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی ہوتی ہیں؟ اس نے جواب دیا: نہیں' بلکہ ہم نے اس عمدہ کھجور کے ایک صاع کو گھٹیا کھجور کے دو صاع اور عمدہ کھجور کے دو صاع کو گھٹیا کھجور کے تین صاع کے بدلے میں تبدیل کر لیا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ کرو بلکہ تمام کھجوریں (ملی جلی کھجور) پہلے درہم و دینار کے عوض میں فروخت کر لو اور پھر ان دراہم سے عمدہ کھجور خرید لو۔'' اور مسلم شریف کی بعض روایات میں آپ ﷺ نے اس کو واضح طور پر ربا قرار دے کر منع فرمایا۔ اس قسم کی روایات کثرت سے مروی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اموالِ ربویہ کے تبادلہ میں جو مماثلت اور مساوات شرعاً مطلوب ہے وہ مقدار میں مماثلت ہے نہ کہ قیمت میں۔ کیونکہ یہاں آپ ﷺ نے اس کھجور کو جو عمدہ قسم کی تھی جمیع یعنی مخلوط کھجور کے ساتھ تبادلہ میں وزن کی برابری کا لحاظ رکھنے کا حکم فرمایا نہ کہ اس کے عمدہ اور گھٹیا ہونے کا۔ مزید قرض میں مثلیت اور برابری کی شرط کو سنن ابی داؤد کی روایت مروی از ابن عمر رضی اللہ عنہ واضح طور پر ثابت کرتی ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں مقام بقیع میں اونٹ بیچا کرتا تھا' کبھی دیناروں کے ذریعہ بھاؤ کر کے اونٹ بیچتا اور بجائے دینار کے مشتری سے درہم لے لیتا اور دراہم کے ذریعہ قیمت طے کر کے مشتری سے دینار

وصول کر لیتا۔ اسی طرح ادا کرتے وقت بھی دراہم کے بدلے دینار اور دینار کے بدلے دراہم ادا کرتا۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا (اُس وقت آپؐ حضرت حفصہؓ کے گھر پر تشریف فرما تھے) یارسول اللہ ﷺ! میرا ایک سوال ہے اور وہ یہ کہ میں مقام بقیع میں اونٹ بیچتا ہوں کبھی دیناروں کے ذریعہ بیچتا ہوں اور اس کے بدلے دراہم وصول کرتا ہوں اور کبھی دراہم کے ساتھ بیع کر کے اس کے بدلے دینار وصول کرتا ہوں۔ اس طرح ادا کرتے وقت بھی دراہم کے بدلے دینار اور دیناروں کے بدلے دراہم ادا کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ اس طرح معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس دن کے بھاؤ کے برابر لو اور تم دونوں کے درمیان اس حالت میں جدائی عمل میں آئے کہ تمہارے ذمہ کوئی لین دین باقی نہ رہے۔

مذکورہ بالا حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ابن عمرؓ کے لیے اس بات کو جائز رکھا کہ جب بیع دینار کے ذریعہ ہو اور اس کی جگہ درہم وصول کیا جائے تو ادائیگی کے دن اس کی جو قیمت ہو اس قیمت کے برابر درہم لیا جائے اُس دن کی قیمت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جس دن دینار ذمہ میں واجب ہوا تھا۔ اب اگر قرضوں میں قیمت کے اعتبار سے مثلیت اور برابری معتبر ہوتی تو ان کے ذمہ دینار کی وہ قیمت واجب ہونی چاہیے جو قیمت ذمہ میں واجب ہونے کے دن تھی۔

دوسری بات یہاں یہ بھی قابل غور ہے کہ اگر قرضوں وغیرہ کو قیمتوں کے اشاریہ کے ساتھ مربوط کر دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قرض کی ادائیگی میں واقعی اور حقیقی مثلیت کا اعتبار کرنے کے بجائے اس کی بنیاد ایک تخمینی مثلیت پر رکھی گئی ہے' کیونکہ اشیاء کی قیمتوں میں کمی بیشی کا جو حساب لگایا جاتا ہے وہ محض تقریبی اور تخمینی ہی ہوتا ہے اور تقریبی و تخمینی حسابات کا شریعت مطہرہ نے کوئی اعتبار نہیں کیا ہے۔

بہرحال دیون یعنی مؤخر مطالبوں' جیسے قرض' مہر' پنشن اور ادھار خریداری کی رقم کی ادائیگی قیمتوں کے اشاریہ سے متعلق کرنا نہ تو شرعاً جائز ہے اور نہ ہی قیمتوں کے اشاریہ کے ذریعہ ادائیگی کے لیے کوئی منضبط اور متیقن قاعدہ موجود ہے' اور جو دقیق فنی قاعدے اس سلسلے میں بیان کیے جاتے ہیں وہ عوام الناس کے فہم سے بالاتر ہیں اور جن کے نفاذ پر زور دینا عوام الناس کے اندر مستقل تنازع پیدا کرنا ہوگا۔ مزید اس طریقہ کار سے سود کا دروازہ بھی کھل جائے گا' کیونکہ سود خور یہی کہنے لگیں گے کہ اتنے دنوں میں بازار کی قیمتوں میں اس قدر تفاوت ہوا ہے اس لیے اضافہ لیا جانا ضروری ہے۔ سوچیے تو اسلام نے جس سود پر آہنی دیوار کھڑی کی تھی وہ اس نظام سے گر جائے گی۔ کیا تعجب ہے کہ اس نظام سے مقصود سود کا دروازہ کھولنا ہی ہو! تو یہ اسلام کے خلاف ایک مضبوط اور گہری سازش سمجھی جائے گی جو سرمایہ داروں کا نیا حربہ ہوگا اور غریب اس نئے راستے سے پامال کیے جائیں گے۔ لہٰذا شرعی نقطہ نظر سے قیمتوں کے اشاریہ کا اعتبار کرنا کسی طرح بھی جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

حواشی

(۱) امداد الفتاویٰ' ج۲' ص ۵۔ فتاویٰ رشیدیہ' ص ۳۵۶۔ آلات جدیدہ کے شرعی احکام: بهجة المشتاق' ص ۵۶۔

(۲) فتاویٰ السعدیہ' ص ۳۱۸ و ص ۳۲۹۔

(۳) نوٹ کی شرعی حقیقت اور اس کے احکام' ص ۲۰ و ۲۹۔

(٤) الورق النقدی، ص ٩٦۔
(٥) مجموعة الفتاویٰ، ص ٢٢٤ تا ٢٣٨۔ و عطر الهدایه، ص ٥٩٥٣۔
(٦) النقد الورق، ص ٨٣۔
(٧) اقناع النفوس بالحاق اوراق النوت بعملة الفلوس، ص ٤٨۔
(٨) الورق النقدی، ص ٨١۔
(٩) احکام القرآن، ص ١٢، ١٣۔
(١٠) الحفنارة الاسلامیة، ٣٢٥/٢۔
(١١) المدونة الکبریٰ، ١٠٤/٧۔
(١٢) رد المختار، ٣/٣۔
(١٣) المجموع شرح المهذب، ٢٩٣/٩۔
(١٤) الکافی، ٥٢/٢۔ ونهایة المحتاج للرملی ٤١٨/٣ وتحفة المحتاج لابن حجر ٢٠٩/٤۔
(١٥) هدایه، ٦٥/٣۔
(١٦) بدائع الصنائع، ١٨٥/٢۔
(١٧) المدونة الکبریٰ، ١٠٢/٧ والمغنی لابن قدامة مع الشرح الکبیر، ١٢١/٤ و ١٢٩۔ وفتاویٰ ابن تیمیه، ٤٦٠/٢٩۔
(١٨) صحیح البخاری، کتاب الصوم وصحیح مسلم، کتاب الصیام۔
(١٩) مشکوٰة المصابیح، کتاب البیوع، باب الاحتکار۔ رواه احمد ورزین واللفظ له۔
(٢٠) سنن الترمذی، ابواب البیوع، باب ما جاء فی التسعیر۔ ومسند احمد، ح:١٣٥٤٥۔
(٢١) مشکوٰة المصابیح، کتاب البیوع، باب الاحتکار۔ رواه البیهقی فی شعب الایمان ورزین فی کتابه۔
(٢٢) سنن ابی داوٗد، کتاب الدیات، باب الدیة کم هی۔
(٢٣) المغنی، ٣٦٥/٤۔
(٢٤) بلغة السالك لاقرب المسالك الی مذهب الامام مالك، ٢١٣/٢۔
(٢٥) المجموع شرح المهذب، ١٧٤/١٣۔
(٢٦) المبسوط، ٥٠/١١۔
(٢٧) المغنی، ٣٦٥/٤۔
(٢٨) بدائع الصنائع، ١٥٥/٧۔

❁❁❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

تعارف وتبصرہ

(۱)

نام مجلّہ : **حکمت بالغہ ستمبر۲۰۱۲ء یاجوج ماجوج نمبر**

مدیر : انجینئر مختار فاروقی

ضخامت : ۱۵۲صفحات قیمت : ۱۲۰روپے

ناشر: قرآن اکیڈمی جھنگ۔لالہ زار کالونی نمبر2 'ٹوبہ روڈ' جھنگ صدر

جناب انجینئر مختار حسین فاروقی اوران کی پوری ٹیم یقیناً تحسین کے لائق ہیں کہ جنہوں نے نہایت محنت سے اتنا ضخیم نمبر نکالا' اوراس میں خود بھی نہایت تفصیل سے لکھا۔اس خصوصی نمبر کے ۱۵۲صفحات ہیں۔

یہ خصوصی نمبر اداریہ بعنوان ''حرفِ آرزو'' اور یاجوج وماجوج سے متعلق تین ابواب پر مشتمل ہے۔آخر میں ''حاصلِ کلام'' میں سارے مباحث کو سمیٹا گیا ہے' اور ''استدراک'' کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔اس خصوصی نمبر کی خصوصیت نقشہ جات ہیں' جس سے قاری کو فوری طور پر جغرافیائی لحاظ سے مختلف خطہ جات کے بارے میں راہنمائی مل جاتی ہے۔

یہ بات نہایت خوش آئند ہے کہ دیگر محقّقین کی تحقیقات کو بھی پیش کیا گیا ہے' جیسا کہ ابوالکلام آزادؒ' مولانا مناظر احسن گیلانیؒ اور عمران این حسین کی تحقیقات قارئین کے سامنے پیش کی گئی ہیں۔التفسیر الحدیث (عربی) کے مفسّر محمد عزۃ دروزہؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ دو عجمی علماء مولانا شبلی نعمانیؒ اور ابوالکلام آزادؒ نے ذوالقرنین اور یاجوج وماجوج کے بارے میں نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔اس نمبر میں ابوالکلام آزاد کا تو تفصیلی اقتباس دیا گیا ہے۔اچھا ہوگا کہ آئندہ اپنے کسی شمارے میں مولانا شبلی نعمانی کی آراء کو بھی پیش کیا جائے' کیونکہ وہ بھی نہایت پختہ علم رکھنے والی شخصیت تھی۔اس سلسلے میں فاروقی صاحب کو شبلی مرحوم کا نقطہ نظر تلاش کرنا پڑے گا کہ انہوں نے اپنی آراء کو کس کتاب میں ذکر کیا ہے۔ان کی یہ تلاش بھی اللہ کے ہاں اجروثواب کا باعث ہوگی۔

میرے خیال میں یاجوج وماجوج کا تعلق نہ صرف تاریخ سے بلکہ مستقبل سے بھی ہے۔فاروقی صاحب اقوام کی تاریخ سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں' یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مختلف تاریخی واقعات کے مابین نہایت دلچسپ انداز میں ربط وتعلق قائم کیا ہے۔

یاجوج وماجوج کو متعیّن کر کے بتانا نہایت دشوار عمل ہے۔مسلمان مفکّرین اگر اپنے اپنے طور پر متعیّن

کرنا شروع کر دیں تو معاملہ نہایت گھمبیر ہو جائے گا اور مسلمان عوام کسی نتیجہ پر پہنچنے سے قاصر رہیں گے۔ لہٰذا اس کو عمومی انداز میں پیش کرنا چاہیے۔ شمارہ زیر نظر میں ایک طرف صفحہ ۱۹ پر النواس بن سمعان ﷺ سے مروی حدیث بیان کی گئی ہے کہ یاجوج و ماجوج کا کب خروج ہوگا' جس میں ان کا وقت خروج' نزولِ مسیح کا دور بتایا گیا ہے تو دوسری طرف اسرائیل کی حمایتی اقوام کو یاجوج و ماجوج کہا جا رہا ہے۔ اس صورت حال سے قارئین کیسے مطمئن ہوں گے؟

(ڈاکٹر ابصار احمد' صدر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور)

(۲)

نام کتاب : طریق القرآن (سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقرۃ کی مختصر تشریح)

مصنف : محمد منیر احمد

ضخامت : ۳۱۲ صفحات' قیمت: ۲۵۰ روپے ملنے کا پتہ : صفہ پبلشرز' ۱۹۔اے' ایبٹ روڈ' لاہور

کتاب کے مصنف محمد منیر احمد اگرچہ معروف معنوں میں سکہ بند عالم تو نہیں ہیں' تاہم بانی تنظیم اسلامی اور عصرِ حاضر کے عظیم داعی قرآن ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کی تحریک رجوع الی القرآن سے گزشتہ قریباً ۲۰ برسوں سے وابستہ ہیں۔ اسی دوران قرآن اکیڈمی لاہور سے بنیادی دینی علوم پر مشتمل 'ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس' کی تکمیل کا بھی انہیں موقعہ ملا۔ منیر صاحب گزشتہ کئی سال سے قرآن مجید کی دو سورتیں سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ تنظیم اسلامی کے تحت ''فہم قرآن کورسز'' میں پڑھا رہے ہیں۔ بار بار کی اس تدریس نے ان دو سورتوں کے ساتھ ان کا خصوصی تعلق پیدا کر دیا ہے۔ فہم قرآن کورسز کے شرکاء نے مدرس کے طریقہ تدریس کو بہت پسند کیا اور مؤثر پایا۔ نیز اس بات پر زور دیا کہ ان دونوں سورتوں کی اس دلنشین تشریح کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے تاکہ اس کی افادیت کا دائرہ وسیع تر ہو جائے۔ چنانچہ ''طریق القرآن'' کے نام سے اس کی اشاعت کا اہتمام کیا گیا ہے۔

طریق القرآن ۲۸/اسباق پر مشتمل ہے۔ پہلے سبق میں سورۃ الفاتحہ کی تشریح ہے جبکہ باقی ۲۷/اسباق سورۃ البقرۃ کی آیات کی تفہیم و تشریح پر مشتمل ہیں۔

مصنف کا اندازِ بیان منفرد اور انوکھا ہے۔ انہوں نے ایک عام آدمی کی سطح پر اتر کر انتہائی دل نشین اور مؤثر انداز میں حق بات کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ قرآن اور حدیث کے دلائل کے ساتھ وہ سامعین اور قارئین کو متاثر کرتے ہیں۔ آیات کی تفہیم کو آسان بنانے کے لیے روزمرہ زندگی سے مثالیں دیتے ہیں۔ غیر ضروری مباحث سے وہ گریز کرتے ہیں۔ وہ اس قسم کی بحثوں میں نہیں پڑتے کہ وہ کون سا درخت تھا جس کے قریب جانے سے آدمؑ اور اماں حوا کو منع کیا گیا تھا۔ اس کے برعکس ضروری مباحث کو خوب واضح کیا ہے۔ علم الاسماء اور علم وحی کے تعلق پر ان کی تشریح کئی عقدے حل کرتی ہے۔ اسی طرح ملازم اور عبد کا فرق واضح کر کے عبادت کے مفہوم

کی وسعت عیاں کی ہے۔ بعض جگہ بات واضح کرنے کے لیے خاکے بھی بنائے گئے ہیں جن سے سمجھنا آسان ہو گیا ہے۔ اسی طرح سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۹ کے تحت گرج اور بجلی کی چمک کے ذریعے منافقوں کے طرزِ عمل کو واضح کیا ہے کہ وہ دین کے آسان تقاضوں کو پورا کرتے ہیں' مگر جہاں مشکل پیش آئے وہاں سے دور بھاگتے ہیں۔

الغرض قرآن کے پیغام کی تفہیم کے نقطہ نظر سے یہ ایک قابل قدر کتاب ہے۔ اگر ان دو سورتوں کو مجوزہ طریق پر طلب ہدایت کے جذبے سے پڑھ لیا جائے تو باقی قرآن کو سمجھنے میں بھی سہولت رہے گی۔

جا بجا علامہ اقبال اور دیگر شعراء کے کلام سے استشہاد کیا گیا ہے' مگر اکثر اشعار میں غلطیاں موجود ہیں۔ کمپوزنگ کی چند ایک غلطیاں بھی ہیں۔ مثلاً ص ۲۵۷ پر version کے ہجے غلط ہیں۔ ص ۱۸۰'۱۸۱ کی صورت میں دو بار چھپ گیا ہے۔ کتاب کا ٹائٹل خوبصورت اور جلد مضبوط ہے۔

(۳)

نام مجلّہ : سہ ماہی ''التفسیر'' کراچی کا خصوصی شمارہ (شخصیات نمبر)

مدیر اعلیٰ : پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج

ضخامت : ۶۰۰ صفحات قیمت: ۳۰۰ روپے

ملنے کا پتہ : دفتر مجلس التفسیر B-3 اسٹاف ٹاؤن' یونیورسٹی کیمپس' جامعہ کراچی' کراچی

مجلس التفسیر کراچی کے زیر اہتمام شائع ہونے والا یہ سہ ماہی مجلّہ ہے جس کے مدیر اعلیٰ معروف علمی شخصیت ہیں اور جس کی مجلس مشاورت میں وقت کے اعلیٰ درجے کی ذہنی اور فکری صلاحیتیں رکھنے والے افراد شامل ہیں۔ زیر تبصرہ التفسیر کا خصوصی شمارہ ہے جس کو ''شخصیات نمبر'' کا عنوان دیا گیا ہے۔ اس میں ۲۶ مشاہیر کے حالات زندگی' کارہائے نمایاں اور فکر و نظر پر مقالات لکھے گئے ہیں۔ ان بڑے آدمیوں میں سے چند ایک کو چھوڑ کر باقی سب کا تعلق ماضی قریب سے ہے اور اکثر و بیشتر پاک و ہند کے معروف و مشہور علمائے دین ہیں۔

مقالہ نگاروں میں اونچے درجے کے تعلیم یافتہ' دانشور اور استاد شامل ہیں۔ ہر مقالہ نگار نے اپنی کسی محبوب شخصیت کا انتخاب کیا ہے اور اس کے بارے میں مختلف ذرائع سے معلومات حاصل کر کے انہیں حسن ترتیب سے آراستہ کیا ہے اور پھر اسے مقالے کی شکل دی ہے۔ بعض مقالہ نگاروں نے ان شخصیات پر قلم اٹھایا ہے جن کی انہیں ماہ و سال کی صورت میں صحبت نصیب ہوئی ہے اور انہوں نے ان سے کسب فیض کیا ہے۔

اس شمارے میں شائع ہونے والی چند شخصیات مندرجہ ذیل ہیں۔ ان کے نام کے سامنے مقالہ نگار کا نام بھی درج ہے:

شخصیت کا نام	مقالہ نگار
امام اعظم ابوحنیفہ	خواجہ محمد عمیر

سرسید احمد خان	ڈاکٹر طاہر مسعود
علامہ اقبال	ڈاکٹر محمد آصف
مولانا عبیداللہ سندھی	عبدالباقی
ڈاکٹر محمد رفیع الدین	انجینئر نوید احمد
سید احمد سعید کاظمی	محمد طاہر صدیقی
سید ابوالاعلیٰ مودودی	ڈاکٹر محمد شکیل صدیقی
مولانا ابوالحسن علی ندوی	عمیر احمد صدیقی
ڈاکٹر حمیداللہ	محمد افضال اشرف
مولانا شاہ احمد نورانی	محمد ارشد انصاری
ڈاکٹر اسرار احمد	عبدالرحمٰن خان

چونکہ مقالہ نگاروں نے اپنی پسندیدہ شخصیات پر قلم اٹھایا ہے اس لیے ماسوائے چند ایک کے سب نے اپنے ممدوح کے صرف مثبت پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے' حالانکہ کون سی شخصیت ایسی ہے جس کی زندگی میں اونچ نیچ نہ آئی ہو۔ کسی شخصیت کے حالات زندگی اور کارناموں کی تفصیل میں اس کی زندگی میں ہونے والی غلطیوں' کمیوں' کوتاہیوں اور ناکامیوں کا ذکر بھی فائدے سے خالی نہیں ہوتا۔ بحیثیت مجموعی مجلس التفسیر کراچی کی یہ کاوش قابلِ مدح و ستائش ہے۔ بڑے لوگوں کے حالات پڑھنے سے ہمت وحوصلہ ملتا ہے جس سے انسان ناسازگار حالات میں صبر وثبات کا سبق سیکھتا ہے۔

(۴)

نام کتاب : اسلامی معاشرہ کے لازمی خدوخال

مصنف : شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق

ضخامت : ۴۰۰ صفحات قیمت: درج نہیں

ملنے کا پتہ : (۱) جامعہ دارالعلوم حقانیہ' اکوڑہ خٹک' ضلع نوشہرہ

(۲) القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ' برانچ پوسٹ آفس خالق آباد' ضلع نوشہرہ

مولانا سمیع الحق کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ ان کا شمار برصغیر کے ممتاز علمائے دین میں ہوتا ہے۔ ہزاروں علماء اور خطیب ان کے شاگرد ہیں' جن میں سے ایک مولانا عبدالقیوم حقانی بھی ہیں' جو خود استاذ العلماء ہیں۔ مولانا سمیع الحق فہم وفراست کی دولت سے مالا مال' معتدل مزاج کی ہر دلعزیز شخصیت ہیں۔ ۷۵ سال سے زائد عمر گزارنے کے باوجود مصروف ترین زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ سیاست دانوں میں نیک طینت' محبِّ وطن اور پاکستان میں نفاذِ شریعت کے پرخلوص حامیوں میں سے ہیں۔

مولانا کو حدیث کے ساتھ گہری مناسبت ہے۔ سیاسی اور دیگر مصروفیات کے باوجود ان کا درس حدیث میں شوق واشتیاق دیدنی ہے۔ مولانا سمیع الحق طلبہ کو امام ترمذی کی جامع السنن کے ''ابواب البر والصلہ'' کا درس دیتے رہے، جنہیں ٹیپ سے اتار کر کتابی صورت میں جمع کر کے ''اسلامی معاشرہ کے لازمی خدوخال'' کے نام سے شائع کر دیا گیا ہے۔

جامع السنن کے ان ابواب میں فضائل اخلاق اور رذائل اخلاق سے متعلق احادیث ہیں۔ مولانا سمیع الحق نے ان احادیث کے دروس میں توضیح وتشریح کا حق ادا کر دیا ہے۔ پوری کتاب کو ۱۸ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر باب میں آنے والی حدیث کی تفہیم اس انداز میں کی گئی ہے کہ ایک حدیث کے مطالعے سے علم کا بیش بہا خزانہ ہاتھ آ جاتا ہے۔ مولانا سمیع الحق رسول اللہ ﷺ کی محبت میں سرشار رہتے ہیں۔ احادیث رسولؐ کے ساتھ ان کا شغف ان کے دروسِ حدیث سے عیاں ہے۔ یہ کتاب جہاں ہر شخص کے پڑھنے کے قابل ہے وہاں علماء اور خطباء اس سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ کتاب باطنی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ظاہر میں بھی دیدہ زیب اور خوشنما ہے۔

(۵)

نام مجلّہ : اشاریہ ماہنامہ ''شمس الاسلام'' بھیرہ

ضخامت : ۴۲۵ صفحات ' قیمت: ۴۵۰ روپے

ملنے کے پتے: ☆ مکتبہ مجلس حزب الانصار، بھیرہ ضلع سرگودھا ☆ الفیصل ناشران وتاجران کتب، اردو بازار، لاہور

ماہنامہ ''شمس الاسلام'' ایک معروف دینی ماہنامہ ہے۔ یہ برصغیر کے قدیم ترین اردو جرائد میں سے ایک ہے جس کا آغاز بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں ہوا اور اُس وقت سے اب تک باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے۔ مجلس حزب الانصار بھیرہ کی قدیم دینی تنظیم ہے، یہ رسالہ اسی تنظیم کے زیر انتظام جاری ہے۔ اس تنظیم کے تحت کئی رفاہی ادارے بنی نوع انسان کی خدمت میں مشغول ہیں۔

زیر تبصرہ خصوصی اشاعت اس جریدہ میں شائع ہونے والے ۲۰۱۰ء تک کے مضامین اور تحریروں کی فہرست (اشاریے) پر مشتمل ہے۔ ماہنامہ شمس الاسلام کے مستقل قارئین کے لیے یہ ایک مفید دستاویز ہے جس کی مدد سے وہ کئی سال قبل شائع ہونے والے مضامین کو آسانی سے تلاش کر سکتے ہیں۔ اس خصوصی اشاعت کے اخیر میں قدیم قلمی مسودات اور تحریری دستاویزات کی فہرست ''مخطوطات'' کے عنوان سے شامل کر دی گئی ہے، جن سے عزیزیہ بگو یہ حزب الانصار بھیرہ کے کتب خانہ سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

اس رسالے کی کسی سیاسی جماعت کے ساتھ وابستگی نہیں ہے بلکہ اس نے گروہی اور جماعتی صحافت سے بھی اجتناب کیا ہے۔

(پروفیسر محمد یونس جنجوعہ)

MESSAGE OF THE QUR'AN

Translation and Brief Elucidation

By

Dr. Israr Ahmad

Aal-e-Imran

(Ayat 156-200)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١٥٦﴾

(156)O you who believe! Be not like those who disbelieve and who say to their brethren when they travel through the earth or go out to fight; "If they had stayed with us, they would not have died or been killed," so that Allah may make it a cause of regret in their hearts. It is Allah who gives life and causes death. And Allah is All-Seer of what you do.

This refers to the hypocrites who do not have faith in Allah (SWT). They do not believe in the fact that the decrees of Allah (SWT) are inevitable and cannot be changed. They believe that if their friends and relatives would not have traveled or fought in the way of Allah (SWT), they would have not died and surely would have been alive. But Allah (SWT) says: *"so that Allah may make it a cause of regret in their hearts."* i.e. because of this thought, they feel grief and sorrow in their loss. And Allah (SWT) says: *"It is Allah who gives life and causes death. And Allah is All-Seer of what you do."* i.e. Nothing can happen without Allah's will and it is He who ordains life and death. This is the essence of faith and the basic difference between a believer and a non-believer. The believers wholly trust Allah (SWT) and submit to Him. They believe that Allah (SWT) holds control over everything and nothing occurs without His permission and knowledge. On the contrary, the non-believers do not have faith in Allah (SWT) and thus they perceive the whole world as a pure coincidence.

وَلَىِٕنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿١٥٧﴾

(157) And if you are killed or die in the way of Allah, forgiveness and mercy from Allah are far better than all that they amass.

zThis means that those who die or are killed in Allah's cause earn His mercy and forgiveness which is far better for them than the worldly delights that they would enjoy in this life if they would have stayed alive a little longer. His mercy is surely better than all the riches they amass.

وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِاَلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

(158) And whether you die or are killed, verily, unto Allah you shall be gathered.

i.e. whether you die a natural death or you are killed in the way of Allah (SWT), the fact remains that you shall all be brought before Him.

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

(159) And by the mercy of Allah, you dealt with them gently. And had you been severe and harsh hearted, they would have deserted you; so pardon them and ask forgiveness for them; and consult them in the affairs. Then when you have taken a decision, put your trust in Allah. Certainly, Allah loves those who put their trust in Him.

This *ayah* describes that it is Allah's mercy that He has made His Prophet's heart soft and gentle for his *Ummah*. He has made him full of kindness and mercy for the believers and this is why He has given him the title of *"Mercy to all the creations"*. In another *ayah*, the *Qur'an* says that it grieves Prophet Muhammad (SAW) if his *Ummah* is in difficulty and always prays for them so that they are rightly guided. On the other hand, Allah (SWT) says that if the Prophet's behavior had been severe and harsh with his followers, they would surely have deserted him. But Allah (SWT) had made them gather around him because he did not deal with them severely. If they made mistakes, he forgave and implored Allah (SWT) to forgive them. Further this *ayah* indicates that Prophet Muhammad (SAW) always consulted his Companions (RA) for advice in different matters as he did before the Battle of *Uhud* when he asked his Companions (RA) whether to stay in *Madinah* or go out and meet the enemy in the open. *"Then when you have taken a decision, put your trust in Allah. Certainly, Allah loves those who put their trust in Him"* i.e. whatever decision is made after the consultation, stick to it and put your trust in Allah (SWT).

This *ayah* is also important regarding the leadership of an Islamic movement. It gives us an important clue as to what qualities a leader (*Ameer*) of an Islamic party should possess. It describes the characteristics of Prophet Muhammad (SAW) as a leader, a perfect example for all to follow.

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٦٠﴾

(160) If Allah helps you, none can overcome you; and if He forsakes you, who is there after Him that can help you? And in Allah (Alone) let believers put their trust.

This means that if you struggle hard and devote yourself in Allah's cause, He will surely help you and no one will be able to defeat you. But if He forsakes you because of your own deeds then there will be none to help you after Him.

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۚ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٦١﴾

(161) It is not for any Prophet to take illegally a part of booty. And whosoever deceives his companions as regards the booty, he shall bring forth on the Day of Resurrection that which he took. Then every person shall be paid in full what he has earned and they shall not be dealt with unjustly.

After the *battle of Badr*, some hypocrites accused the Holy Prophet (SAW) of taking a red robe illegally from the booty, but Allah (SWT) warns these people for entertaining such evil thoughts and exonerates His Prophet (SAW) of deceit and treachery. *"And whosoever deceives his companions as regards the booty, he shall bring forth on the Day of Resurrection that which he took."* This *ayah* contains a warning against those who steal from the booty. It states that whoever betrays the trust and steals from the booty then whatever he has stolen will be brought forth from him on the Day of Judgment. *"Then every person shall be paid in full what he has earned and they shall not be dealt with unjustly."* i.e. they will be dealt according to their deeds; none shall be wronged.

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٦٢﴾

(162) Is then one who follows (seeks) the good Pleasure of Allah like the one who draws on himself the Wrath of Allah? His abode is Hell, and worst indeed is that destination! [22]

The one who seeks Allah's pleasure refers to those who follow His commandments and do not take anything illegally from the booty, and those who have incurred the wrath of Allah (SWT) refers to those who betray their companions' trust and steal from the booty. They are the people of Hellfire and they will remain in it forever.

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٣﴾

(163) Varied are their positions with Allah. And Allah is All-Seer of what they do.

i.e. Allah (SWT) grades the people of righteousness and people of evil. It means that there are different levels of Paradise for the believers; similarly there are various degrees of punishment and hell for the evildoers and hypocrites. *"And Allah is All-Seer of what they do."* i.e. He

knows who deserves what rank or grade as He sees all their deeds. Allah (SWT) is fully cognizant of what they do.

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٦٤﴾

(164) Indeed Allah conferred a great favor on the believers when He sent among them a Messenger from among themselves, reciting unto them His revelations and purifying them, and instructing them the Book (the Qur'an) and the wisdom, while before that they had been in manifest error.

This *ayah* has already been commented upon in *ayah* 151 of *surah Al-Baqarah* which talks about the blessing Allah (SWT) bestowed upon mankind in the advent of Prophet Muhammad (SAW). Allah (SWT) sent Prophet Muhammad (SAW) as a response to the prayer of Prophet *Ibrahim* (AS) and *Ismail* (AS), when they supplicated to their Lord to send a Messenger amongst their descendants. Therefore, Allah (SWT) accepted their supplication and sent Prophet Muhammad (SAW) amongst their offspring, who recites the Book of Allah (SWT) i.e. the *Qur'an*, to the believers and purifies them from all evils with it, as Allah (SWT) has said in another *ayah*: *"We have revealed the Qur'an which is a healing and a mercy to the believers..."* [23] Further the Prophet (SAW) teaches the believers the *Qur'an* and the *Sunnah*, whereas before that they were lost in error and were clearly astray.

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٦٥﴾

(165) When a single disaster befell you" "although you inflicted (your enemies) losses twice as great, you say: "From where does this come to us?" Say (to them), "It is from yourselves." And Allah has power over all things.

This *ayah* refers to the hypocrites who after the Battle of *Uhud* started to doubt the Prophethood of Muhammad (SAW) because of their heavy losses and defeat, but this *ayah* states that the Muslims themselves inflicted losses twice as heavy on the enemy in the battle of *Badr* when they killed seventy of them and captured seventy others. Why, then should they say: "*From where does this come to us?*" Allah (SWT) answers them: *"Say (to them), "It is from yourselves."* i.e. it is indeed your own fault that you have suffered in the *Battle of Uhud* when you (i.e. the archers) disobeyed the Prophet (SAW) and abandoned their positions. *"And Allah has power over all things."* i.e. He does what He wills and no one can change His decision. He is the Omnipotent.

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٦٦﴾

(166) And what you suffered on the day when the two armies met, was ordained by Allah. In order that He might test the believers.

This means that whatever loss the Muslims suffered in the *Battle of Uhud*, it was by Allah's will and by His perfect wisdom. He controls everything and nothing happens outside of His will, because all matters rest exclusively with Him. *"In order that He might test the believers."* i.e. He tests them with trials and tribulations so as to distinguish those who are patient, firm and steadfast amongst them.

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾

(167) And that He might test the hypocrites. It was said to them: "Come, fight in the Way of Allah or (at least) defend yourselves." They said: "Had we known that fighting will take place, we would certainly have followed you." They were that day, nearer to disbelief than to Faith, saying with their mouths what was not in their hearts. And Allah has full knowledge of what they conceal.

This ayah refers to the chief of hypocrites, Abdullah Bin Ubay, who left the battlefield along with his 300 men and returned to Madinah. "It was said to them: "Come, fight in the Way of Allah (SWT) or (at least) defend yourselves."" When Abdullah Bin Ubay was leaving with his men, some of the 700 Muslims left in the battlefield followed them and tried to persuade him to come back and fight against the 3000 strong Quraysh army for the sake of Allah (SWT). When the hypocrites refused to listen, they tried to convince them to at least fight to defend their city of Madinah. But "They said: "Had we known that fighting will take place, we would certainly have followed you."" i.e. if we would have known that you are going to fight today with the unbelievers then we would certainly have followed you in the battlefield. "They were that day, nearer to disbelief than to Faith, saying with their mouths what was not in their hearts." They pretended to be as Muslims but they were nearer to disbelief as they conceal extreme enmity and hatred against the believers but do not utter what they believe in. "And Allah has full knowledge of what they conceal." i.e. He knows the hypocrites and what they conceal in their hearts against the believers. He knows even their secret thoughts.

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

(168) They are the ones who said about their killed brethren while they themselves sat (at home):"If only they had listened to us, they would not have been killed." Say: "Avert death from your own selves, if you speak

the truth."

Again this *ayah* refers to *Abdullah Bin Ubay* who returned to *Madinah* with his 300 men from his way to the battlefield. They said: *""If only they had listened to us, they would not have been killed.""* i.e. had the Muslims listened to our advice and not gone out in the battlefield, they would not have died or been killed. But Allah (SWT) says: *"Say: "Avert death from your own selves, if you speak the truth.""* i.e. even though you stayed in *Madinah*, if death suddenly comes to any of you, you will not be able to avoid it. So if you are truthful in what you claim, then try to ward off death from yourselves.

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝

(169) Think not of those who are killed in the Way of Allah as dead. Nay, they are alive, with their Lord, and they are well provided by their Lord.

This subject has already been mentioned in *ayah* 154 of *surah Al-Baqarah*. Allah (SWT) says that the believers should never think of those persons who are martyred in the way of Allah (SWT) as dead. In fact, they are alive, enjoying an eternal life and He also provides them with sustenance as the Messenger of Allah said: *"The martyrs convene at the shore of a river close to the door of Paradise, in a green tent, where there provisions are brought to them from Paradise day and night"* [24]

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

(170) They rejoice in what Allah has bestowed upon them of His Bounty, rejoicing for the sake of those who have not yet joined them, but are left behind (not yet martyred) that on them no fear shall come, nor shall they grieve.

i.e. the martyrs are pleased with what Allah (SWT) has given them from His unlimited bounties and they are also happy to think that there is nothing to fear or to regret for those of their brothers whom they have left behind and who have not yet joined them in their bliss i.e. they are not yet martyred yet.

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(171) They rejoice in a Grace and a Bounty from Allah, and that Allah will not waste the reward of the believers.

i.e. the martyrs are happy to receive Allah's grace and bounty and they are pleased that Allah (SWT) has fulfilled His promise and given them tremendous rewards. And surely the reward of the faithful is not lost.

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۚ﴿۱۷۲﴾

(172) Those who answered (the Call of) Allah and the Messenger after being wounded. For those of them who did good deeds and feared Allah, there is a great reward.

After the battle of *Uhud*, the *Quraysh* marched back to *Makkah* but soon they realized that they had not achieved their target i.e. to finish off the Muslims, so they turned back and headed towards *Madinah* for a final encounter. At the same time, the Prophet (SAW) commanded the Muslims to march towards the disbelievers at a place called *Hamra Al-Asad*. Even though the Muslims were still suffering from the wounds of the battle of *Uhud*, yet they responded to the call and marched with the Prophet (SAW). For them, Allah (SWT) says: *"For those of them who did good deeds and feared Allah, there is a great reward."* i.e. He will certainly reward them amply for their patience and obedience.

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾

(173) Those unto whom the people said, "Verily, the people have gathered against you, therefore, fear them." But it (only) increased them in Faith and they said: "Allah (Alone) is Sufficient for us, and He is the Best Disposer of affairs."

After the *battle* of *Uhud*, the *Quraysh* army challenged the Muslims to a fight the following year at *Badr*. When the time came, the hypocrites tried to spread rumors that the *Quraysh* were making great preparations for the war and had mustered a great army against them. But this did not worry the Muslims; instead, it increased them in faith and they marched towards *Badr*. They had all their trust in Allah (SWT) and *"they said: "Allah (Alone) is Sufficient for us, and He is the Best Disposer of affairs."*

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾

(174) So they returned with Grace and Bounty from Allah. No harm touched them; and they followed the good Pleasure of Allah. Allah is the Owner of Great Bounty.

The *Quraysh* army left *Makkah* and advanced towards *Badr* to fight the Muslims as they had promised them the previous year after the *battle of Uhud*, but just after 2 days of traveling they decided to return back to *Makkah* and asked the Muslims to fight them the next year as they did not find it suitable to fight that year. Meanwhile the Muslims stayed at *Badr* for 8 days. During their stay they did a lot of

profitable business with trading parties and when they came to know that the disbelievers have gone back to *Makkah*, they returned to *Madinah*. This way Allah (SWT) helped them and they returned to their land with grace and provisions provided by Him by following the pleasure of Allah (SWT). And surely, *"Allah is the Owner of Great Bounty."* Allah's bounty is infinite.

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

(175) It is only Satan that suggests to you the fear of his followers, so fear them not, but fear Me, if you are (true) believers.

Satan frightens the believers with his partners and supporters by pretending that they are strong and fearsome. But Allah (SWT) commands the believers not to fear them but fear Him alone.

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾

(176) And let not those grieve you, who rush with haste to disbelieve; verily, not the least harm will they do to Allah. It is Allah's Will to give them no share in the Hereafter. For them there is a great torment.

The stubbornness and the deviance of the disbelievers saddened the Prophet (SAW). But Allah (SWT) told His Prophet not to grieve by their behavior because the disbelievers can do absolutely no harm to Him or His Messenger (SAW) and it is by His will that they are being given respite, so that they increase in their deviation and thus do not acquire any share in the Hereafter. And *"For them there is a great torment."* i.e. in the Hereafter their punishment shall be terrible indeed.

اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾

(177) Verily, those who purchase disbelief at the price of Faith, not the least harm will they do to Allah. For them, there is a painful torment.

i.e. the disbelievers could have attained faith had they believed in Allah (SWT) and His Messenger (SAW), but they chose disbelief over faith and their actions and behavior does not effect Allah (SWT) in any way. Infact, they harm none but themselves. And for them will be a painful punishment in the Hereafter.

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾

(178) And let not the disbelievers think that Our respite to them is good for them. We give them respite only so that they may increase in sinfulness. And for them is a disgracing torment.

i.e. the disbelievers should not think that because Allah (SWT) is giving them wealth and children, they will be forgiven or left alone and their evil deeds will not be taken account of. Instead, Allah (SWT)

gives them respite so that they may increase in their sins and deviation and thus suffer great torment in the Hereafter.

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

(179) Allah will not leave the believers in the state in which you are now, until He distinguishes the wicked from the good. Nor will Allah disclose to you the secrets of the unseen, but Allah chooses of His Messengers whom He pleases. So believe in Allah and His Messengers. And if you believe and fear Allah, then for you there is a great reward.

This means that Allah (SWT) does not like to see the believers mixed up with the hypocrites. Therefore, by trials and tribulations, He separates the impure from the pure and the evil from the good within them. *"Nor will Allah disclose to you the secrets of the unseen, but Allah chooses of His Messengers whom He pleases."* i.e. Allah (SWT), out of His wisdom does not give the knowledge of the unseen to His servants so that they can distinguish between a believer and a hypocrite, but for this purpose He chooses one of His servants as His Messenger who delivers His message. *"So believe in Allah and His Messengers. And if you believe and fear Allah, then for you there is a great reward."* Allah (SWT) promises His servants blessings and reward in the Hereafter if they believe in Him and His Messenger and guard themselves against evil.

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

(180) And let not those who are stingy with that which Allah has bestowed on them of His Bounty (Wealth) think that it is good for them. Nay, it will be worse for them. The things that they are stingy with shall be tied to their necks like a collar on the Day of Resurrection. And to Allah belongs the heritage of the heavens and the earth. And Allah is Well-Acquainted with all that you do.

The Prophet (SAW) urged the believers to spend in Allah's cause, but the hypocrites would greedily withhold their wealth and property thinking that it would benefit them in the future. But this *ayah* indicates that a niggardly person only harms himself by only collecting money and not spending it in the way of Allah (SWT). *"The things that they are stingy with shall be tied to their necks like a collar on the Day of Resurrection."* This is as the Messenger of Allah said: *"Whoever is made wealthy by Allah and does not pay Zakah on his wealth, on the Day of Judgment his wealth will become a bald-headed, poisonous, male snake with two black spots over his eyes. The snake, on the Day of Judgment, will encircle his neck, and bite his cheeks and say: 'I am your treasure, I am your wealth.'"* [25] Further Allah (SWT) says: *"And to*

Allah belongs the heritage of the heavens and the earth" i.e. everything belongs to Him and ultimately it has to return to Him as His inheritance.

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿١٨١﴾

(181) Indeed, Allah has heard the statement of those who say: "Truly, Allah is poor and we are rich!" We shall record what they have said and their killing of the Prophets unjustly, and We shall say: "Taste you the torment of the burning (Fire)."

When Allah (SWT) revealed the *ayah*: "*Who will grant Allah a goodly loan which Allah will increase manifold*" [26], the Jews mocked at the believers and ridiculed this commandment saying, 'O Muhammad! Has your Lord become poor as He is begging His servants for a loan?' Upon this, Allah (SWT) revealed this *ayah* which states that it has been the practice of the Jews throughout history to ridicule His commandments and kill His Messengers. And Allah (SWT) says that He will punish them for their deeds and they will burn in the Hellfire.

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿١٨٢﴾

(182) This is because of that (evil) which your hands have sent before you. And certainly, Allah is never unjust to (His) slaves.

i.e. Allah (SWT) is not unjust to His creatures and the only reason for their disgrace and humiliation in the Hereafter will be their own evil deeds in this world.

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٨٣﴾

(183) Those (Jews) who said: "Verily, Allah has taken our promise not to believe in any Messenger unless he brings to us an offering which the fire (from heaven) shall devour. Say: "Verily, there came to you Messengers before me, with clear signs and even with what you speak of; why then did you kill them, if you are truthful?"

This is another of the lies of the Jews attributed to Allah (SWT). They said that Allah (SWT) has taken a covenant from them that they should not believe in any Messenger until a fire comes down from the sky and burns a sacrificial offering. *Say: "Verily, there came to you Messengers before me, with clear signs and even with what you speak of; why then did you kill them, if you are truthful?"* i.e. if what you claim is true, why did you kill and deny previous Messengers who came with clear signs and even those miracles which you speak of?

فَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقَدۡ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ جَآءُوۡ بِالۡبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالۡكِتٰبِ الۡمُنِيۡرِ ﴿۱۸۴﴾

(184) Then if they reject you, so were Messengers rejected before you, who came with clear signs and the Scripture and the Book of Enlightenment.

Allah (SWT) comforts His Prophet (SAW) not to become sad because of their refusal to believe in him, as they had rejected many Messengers earlier who were also sent with Divine scriptures and were given the law.

كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ‌ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوۡنَ اُجُوۡرَكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ‌ؕ فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدۡخِلَ الۡجَنَّةَ فَقَدۡ فَازَ‌ؕ وَمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ﴿۱۸۵﴾

(185) Everyone shall taste death. And only on the Day of Resurrection shall you be paid your rewards in full. And whoever is spared the Fire and admitted to Paradise, he indeed is successful. The life of this world is only the enjoyment of deception.

Everything and everyone except Allah (SWT) shall perish. When the term of this world comes to an end, no soul will be given respite as Allah (SWT) says: *"But Allah reprieves no soul when its term comes to an end. Allah is well aware of all your actions."* [27] And Allah (SWT) will gather them all on the Day of Resurrection and surely He will not be unjust with them but every single soul will be dealt with according to its deeds. *"And whoever is spared the Fire and admitted to Paradise, he indeed is successful. The life of this world is only the enjoyment of deception."* The transitory life of this world is nothing but a deceptive enjoyment and insubstantial as compared to the eternal delights of the Hereafter. Thus whoever is saved from the Hellfire and enters Paradise, has indeed achieved the ultimate success. The life of this world is nothing but a fleeting vanity.

لَتُبۡلَوُنَّ فِىۡۤ اَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ‌۫ وَلَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَمِنَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡۤا اَذًى كَثِيۡرًا‌ ؕ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴿۱۸۶﴾

(186) You shall certainly be tested in your wealth and properties and in your personal selves, and you shall certainly hear much that will grieve you from those who received the Scripture before you and from those who ascribe partners to Allah, but if you persevere patiently, and have Taqwa (piety), then verily, that is surely a matter of firm resolution.

Allah (SWT) states that the believers will be tested in their wealth, properties, offspring and their lives and they will hear many hurtful things from the People of the Book and from the Polytheists to ridicule the Prophet (SAW) and other things provocative to the believers. But if they observe patience and show piety, it will be a proof of their determination and will surely distinguish them from those who lack in zeal and genuine belief. If they endure with fortitude and guard themselves against evil, they will prove their resolution.

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿١٨٧﴾

(187) And remember when Allah took a covenant from those who were given the Scripture to make it (the truth) known and clear to mankind, and not to hide it. But they cast the scriptures behind their backs, and sold them for a paltry price! And indeed evil was their bargain!

This *ayah* again mentions the covenant Allah (SWT) took from the People of the Book that they would believe in their scriptures and will disseminate them and make them clear to the mankind and will not hide anything from it, so that the people also believe and follow their scriptures. *"But they cast the scriptures behind their backs, and sold them for a paltry price! And indeed evil was their bargain!"* i.e. they broke their covenant and hid the truth from the people in order to gain some temporary material benefits of this world instead of the rewards and blessings in the Hereafter, and it is indeed a bad bargain that they have made.

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا وَّيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٨٨﴾

(188) "Think not that those who rejoice in what they have done and love to be praised for what they have not done, think not that they are secure from the punishment. And for them is a painful torment.

This ayah refers to the hypocrites of Madinah. When the Prophet (SAW) would go to the battle, the hypocrites would not accompany him. Instead, they would give something in charity to show off and then would rejoice over it. But when the Prophet would come back, they would make lame excuses for not going with the Muslims to the battle and then wanted to be praised for what they had done i.e. not accompanying the Prophet (SAW) to the battle. But Allah (SWT) says that they should not think that they will be saved from the punishment; instead, they will face a very painful torment. A woeful punishment awaits them and they will not escape the torture.

وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٨٩﴾

(189) And to Allah belongs the kingdom of the heavens and the earth, and Allah has power over all things.

Allah (SWT) is the supreme authority; He alone owns the heavens and the earth; He decides in them whatever He wills; He forbids and repeals whatever He wills and upholds whatever He wills and He has power over everything.

From here begins the concluding part of this *surah*, which also gives

the summary of this *surah* as a whole.

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ۙ﴿۱۹۰﴾

(190) Verily in the creation of the heavens and the earth, and in the alternation of night and day, there are indeed signs for men of understanding.

This *ayah* gives the proofs of the existence and oneness of Allah (SWT) in the creation of skies and earth. There are galaxies and planets in this vast universe and rivers, mountains, trees, deserts and different kinds of animals on this planet, and the rotation of earth causing the alternation of day and night. All these are clear signs and proofs of Allah's Oneness for those who are intelligent and have sound comprehension. This in brief is the *Qur'anic* cosmological argument for the existence and reality of Allah (SWT) — the Creator of everything.

الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

(191) Those who remember Allah, standing, sitting, and lying down on their sides, and think deeply about the creation of the heavens and the earth, (saying): "Our Lord! You have not created this without purpose, glory to You! Save us from the torment of the Fire."

Those who contemplate about the true realities and observe the universe conclude that there is surely a creator of the heavens and the earth and that there is life after death, when every soul will be held accountable for its deeds. This realization fills their hearts with Allah's fear and they remember Him in every situation, praise Him, deny that He has created anything in vain and without purpose and pray to Him to save them from the Hellfire.

رَبَّنَاۤ اِنَّکَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَیۡتَهٗ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿۱۹۲﴾

(192) "Our Lord! Verily, whom You admit to the Fire, indeed, You have disgraced him, and never will the wrong-doers find any helpers."

They further supplicate to Allah (SWT) to save them from being disgraced like the inmates of Hellfire on the day when there will be no helper or protector except Him and no one will help the evildoers.

رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیۡ لِلۡاِیۡمَانِ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِرَبِّکُمۡ فَاٰمَنَّا ۟ رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَ کَفِّرۡ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ۚ﴿۱۹۳﴾

(193) "Our Lord! Verily, we have heard the call of one calling to Faith (saying): 'Believe in your Lord', and we have believed. Our Lord! Forgive us our sins and remove from us our evil deeds, and make us die in the company of the righteous."

This refers to Prophet Muhammad (SAW) who called people towards the oneness of Allah (SWT). The faithful believers respond to his call and follow him, praying to Allah (SWT): *"Our Lord! Forgive us our sins and remove from us our evil deeds, and make us die in the company of the righteous."* i.e. make us die with the righteous and keep us in their company in the Hereafter.

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

(194) "Our Lord! Grant us what You promised unto us through Your Messengers and disgrace us not on the Day of Resurrection, for You never break Your Promise."

They pray to their Lord to grant them what He had promised them through His Messengers i.e. His mercy and forgiveness. And they supplicate to Him not to humiliate them on that day before all His creation by making them enter the Hellfire, and they say: *"for You never break Your Promise."* This does not mean that they have any doubts about the promises of Allah (SWT) but they fear whether or not they are entitled to the blessings that have been promised to them.

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

(195) So their Lord answered them saying: "I will deny no man or woman among you the reward of their labour. You are the offspring of one another. So those who emigrated and were driven out from their homes, and suffered harm in My Cause, and who fought, and were killed (in My Cause). Verily, I will remit from them their evil deeds and admit them into Gardens under which rivers flow; a reward from Allah, and with Allah is the best of rewards."

Allah (SWT) has accepted the supplication of the faithful believers and has declared that He will never waste any of their good deeds; instead, He will reward every believer, male or female, to the fullest. In Islam, the status of the two sexes as human beings is equal and there is no difference between them when it comes to spiritual matters and in gaining Allah's reward, and that is why He says: *"You are the offspring of one another"* i.e. you are all members of one and the same human race and thus are all equal to one another. Further Allah (SWT) says: *"So those who emigrated and were driven out from their homes, and suffered harm in My Cause, and who fought, and were killed (in My Cause). Verily, I will remit from them their evil deeds and admit them into Gardens under which rivers flow;"* i.e. those who fled their homes or were expelled from

them, and those that suffered persecution and fought and died for Allah's sake, shall be forgiven their sins and admitted to gardens watered by running streams as a reward from Allah. *"A reward from Allah, and with Allah is the best of rewards."* i.e. what better reward can there be than the reward from Allah (SWT) Himself? It is indeed Allah who holds the richest recompense.

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾

(196) Do not be deceived by the activities and moving about of the unbelievers in this land.

i.e. the influence and the delights enjoyed by the disbelievers in this transitory world should not deceive and delude the believers.

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾

(197) A brief enjoyment; then their ultimate abode is Hell; and worst indeed is that place for rest.

What the disbelievers are enjoying in this world is only temporary but in the Hereafter they will be punished in the Hellfire, which is the severest of the punishments. Their prosperity is brief. Hell shall be their home, a dismal resting place.

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾

(198) But, for those who fear their Lord, are Gardens under which rivers flow; therein are they to dwell (for ever), a Nuzul from Allah. And that which is with Allah is the Best for the righteous.

In the previous *ayah*, Allah (SWT) has mentioned that the abode of a disbeliever in the Hereafter is Hellfire. On the contrary, this *ayah* states that those who believe in Allah (SWT) and fear Him, Paradise awaits them in the Hereafter with rivers and all kinds of delights and they will live therein forever. And the *ayah* states: *"a Nuzul from Allah" Nuzul* is the immediate food or drink served to a guest upon his arrival. This means that all these delights and enjoyments that Allah (SWT) has promised the believers, will be given to them upon arrival in the Paradise as a goodly welcome from Him, while the actual delights of the Paradise for a believer surpass the imagination and defy description, as the Prophet (SAW) said that Allah (SWT) says, *"I have prepared for My slaves what no eye has seen, no ear has heard and no human heart can imagine"*[28]. *"And that which is with Allah is the Best for the righteous."* i.e. His forgiveness and mercy and all the delights and the enjoyments He has prepared for the believers are surely far better for the righteous.

وَاِنَّ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَمَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِمۡ خٰشِعِيۡنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشۡتَرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

(199) And there are, certainly, among the people of the Scripture (Jews and Christians), those who believe in Allah and in that which has been revealed to you, and in that which has been revealed to them, humbling themselves before Allah. They do not sell the Verses of Allah for a little price. For them is a reward with their Lord. Surely, Allah is Swift in account.

This *ayah* describes those People of the Book who eventually embraced Islam. Allah (SWT) states that among them are some who believe in Him and in what He has revealed to His Prophet (SAW), along with the previous scriptures. Further Allah (SWT) describes their qualities that they sincerely obey Him and humble themselves before Him, and *"They do not sell the Verses of Allah for a little price"* i.e. they do not hide the truth and knowledge of their scriptures from other people for a trifling price. *"For them is a reward with their Lord."* i.e. He will reward them for their faith in Him and His Messengers.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۲۰۰﴾

(200) O you who believe! Endure and be more patient, and strengthen each other, and fear Allah, so that you may be successful.

Allah (SWT) commands His believers to be patient, show more valor and endurance than their enemy, guard their territory from possible incursions of the enemy and fear Allah (SWT), so that they can be successful in this world and most importantly in the Hereafter.

End Notes

[22] See also: Surah As-Sajdah (32): 18.
[23] Surah Bani-Israel (17): 82.
[24] Musnad Ahmed 1: 266.
[25] Fath-ul-Bari 8: 78.
[26] Surah Al-Baqarah (2): 245.
[27] Surah Al-Munafiqun (63): 11.
[28] Fath-ul-Bari 8: 375.

ڈاکٹر رفیع الدین فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام

ڈاکٹر محمد رفیع الدین (مرحوم) کی معروف کتاب

قرآن اور علمِ جدید

کا ساتواں ایڈیشن شائع ہو کر منظر عام پر آ گیا ہے

کتاب کا موضوع

''قرآن اور علم جدید'' ڈاکٹر صاحب کی ایک معرکۃ الآراء تصنیف ہے جو درحقیقت علامہ اقبال کی کتاب ''خطبات'' ہی کے سلسلے کی ایک دوسری کامیاب کاوش ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے ناقابل تردید حقائق، دلائل اور مثالوں سے ان تمام فلسفوں اور نظریات کے تار و پود بکھیر دیئے ہیں جن کی بنیاد پر آج تک مختلف ممالک میں نظام ہائے حکومت قائم رہے ہیں۔

☆ عمدہ طباعت ☆ خوبصورت ٹائٹل کور ☆ اعلیٰ جلد بندی

☆ 583 صفحات ☆ قیمت 650 روپے

ڈاکٹر محمد رفیع الدین (مرحوم) کی درج ذیل تصانیف بھی دستیاب ہیں:

(1) Ideology of the Future — Price: Rs.500/-

(2) The Quran & Modern Knowledge — Price: Rs.500/-

(قرآن اور علم جدید کا انگریزی ترجمہ)

ہول سیلرز، پبلشرز اور بک سیلرز کے لیے خصوصی تعارفی قیمت

ملنے کا پتہ: ڈاکٹر رفیع الدین فاؤنڈیشن

36-K، ماڈل ٹاؤن، لاہور، فون: 042-35074598

ڈسٹری بیوٹر: پروگریسو بکس، اردو بازار، لاہور، فون: 042-37352795

Quarterly **HIKMAT-E-QURAN** Lahore
Oct - Dec 2012 Vol.31 No.4

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان ——— اور ——— سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے علم و حکمت کی

وسیع پیمانے ——— اور ——— اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمت مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک پا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ ——— اور ——— غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ